وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا

الحمد للہ والمنۃ کہ مجموعہ تقریرات اعتراضات المشہور بہ دیک ور

مباحثہ شاہجہانپور

کہ رئیس المتکلمین جناب سیدنا و مولانا مولوی محمد قاسم الخیرات در مجمع عام با پنڈت دیانند
و منشی اندرمن و پادری اسکاٹ مفسر انجیل و پادری نولس صاحبان وغیرہ
در سنہ ۱۲۹۵ ہجری نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بمقام شاہجہانپور کردہ بودند

بماہ ستمبر سنہ ۱۹۱۴ء

بمطبع مجتبائی واقع دہلی طبع گردید

وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا

الحمد للہ والمنۃ کہ مجموعہ تقریرات و اعتراضات المشہور بہ دیک ور

مباحثہ شاہجہانپور

کہ رئیس المتکلمین جناب سیدنا و مولانا مولوی محمد قاسم الخیرات در مجمع عام با پنڈت دیانند و منشی اندرمن و با پادری اسکاٹ مفسر انجیل و با پادری نولس صاحب جان و غیرہ در سنہ ۱۲۹۵ ہجری نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بمقام شاہجہانپور کردہ بودند

بماہ ستمبر سنہ ۱۹۱۴ء

بمطبع مجتبائی واقع دہلی طبع گردید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب | گر دلیلت باید از وے رومتاب

یا اللہ تیری ذات پاک سب پر محیط اور سب پر غالب ۔ سب تیرے جویاں اور سب تیرے طالب لیکن تیری معرفت وہم کی رسائی سے الگ خیال کی مجال سے پرے ۔ قیاس کی وسعت سے باہر ہے ۔ اس لئے تیرے سچے رسولؐ نے وہمی خداؤں کی بندگی سے دُنیا کو چھڑایا ۔ اور جو قدرتی اصول تو نے ہر انسان کے دل میں رکھ دیئے ہیں اُنکو شگفتہ کیا ۔ تیرے کلام پاک نے ایمان بالغیب کی تعلیم دی اور تیری جانب رجوع کرنے کا ایسا طریقہ سکھایا جو فی الحقیقت ہماری بندگی اور تیری خدائی ہمارے نقص اور تیرے کمال کے لئے شایان ہے +

یا اللہ تیرا سب سے پچھلا مگر سب سے افضل رسولؐ جو تیرے مقدس کلام سے گویا ہوا اور جس نے تیری روشن ہدایت سے عقل کو نور دل کو سرور بخشا اُس نے ایسا علم اور ایسی مستقیم راہ نسلِ انسان کو بتائی ہے کہ جو انسان کے حق میں کامل رحمت اور اعلیٰ نعمت ہے صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین ۔ لیکن طلب صادق اور شوق کامل درکار ہے ۔ اب بھی نائبان رسولؐ اور علماء فحول ایسے موجود ہیں جن کا بیان منشاء الٰہی کی تفسیر اور علم انبیاء علیہم السلام کی تشریح ہے اور اُس سے سامعین کے دل کو تشفی اور پڑھنے والوں کے قلب کو کامل خوشی حاصل

ہوسکتی ہے۔ چنانچہ میلۂ خداشناسی واقع شاہجہانپور میں جو علماء اسلام وہنود و عیسائیوں کا مباحثہ ہوا اُس کی کیفیت ناچیز کمترین انام فخرالحسن نام اہلِ نظر کے روبرو پیش کرتا ہے۔

وہو ہذا

صاحبو! اِس جلسہ کے بانی مبانی منشی پیارے لال کبیر پنتھی ساکن چاندا پور ضلع و تحصیل شاہجہانپور ہیں۔ ذی مقدور اور صاحب جائداد شخص ہیں۔ پادری نولس صاحب جو پارسال تک مشن اسکول شاہجہانپور کے ماسٹر رہے ہے۔ اور اب کانپور کو بدل گئے ہیں جب شاہجہانپور کے دیہات کا دورہ کیا کرتے تو چاندا پور میں بھی اکثر وعظ کہتے۔ اور منشی پیارے لال اُن کے لکچر کو بگوش دل سنتے۔ رفتہ رفتہ پادری صاحب نے اپنی توجہ اُن پر ڈالی اور اُنس دتپاک پیدا کیا۔ اور پھر آپ جانتے ہیں کہ اوّل تو پادری صاحب اور پھر وہ بھی یورپین پس اِن کے خلق کی بُو اور صحبت کی حرارت دوستی کی آنچ تو تھی نہیں جو خالی جاتی۔ تپ دق کی طرح اعضائے باطنی و اصلی تک پہنچ گئی۔ اور پھر یہ بھی ہوا کہ پادری صاحب کی ملاقات سے اُن کی عزت اور توقیر بھی بڑھ گئی۔ جب اُن کے خیرخواہوں نے دیکھا کہ منشی صاحب اپنی حالت دیرینہ کی طرح اپنے آبائی عقیدہ کو بھی پارینہ سمجھنے لگے تو اُنہوں نے یہ صلاح دی کہ اپنی مملوکہ زمین اور باغات موضع سرہانگ پور ملحق سوانہ چاندا پور میں بلب دریائے گرّا ایک میلہ خداشناسی مقرر کرو اور اُس میں علمائے مذاہب مختلفہ کا مناظرہ ہو اور طرح طرح کی مخلوق دور اور نزدیک کی جمع ہو جس سے تحقیق مذہب بھی ہو جائے گی اور اس میلہ سے کچھ اَور بھی فائدے کی صورت ہوگی۔ چنانچہ اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ کہ مسٹر رابرٹ جارج کری صاحب بہادر کلکٹر مجسٹریٹ شاہجہانپور سے اجازت حاصل کرکے پارسال ، مئی کو عین شباب گرمی میں یہ میلہ منعقد کیا۔ جس میں مدعی مذہب عیسائی پادری نولس صاحب سب کے سرغنہ تھے۔ اور اہل اسلام کی طرف سے مولوی **محمد قاسم** صاحب اور مولوی سید ابوالمنصور صاحب۔ پس اس جلسہ کا نتیجہ تو سب پر ظاہر ہی

ہو گیا تھا کہ مولوی محمد قاسم صاحب کی نیلی لنگی کے نام سے فتح کا پھریرہ سارے عالم میں مشہور ہو گیا۔ اور کتاب کیفیت واقعی اس جلسہ کی مطبع ضیائی میں چھپی جس کا تاریخی نام **گفتگوئے مذہبی** ہے اور قیمت اُس کی علاوہ محصول ڈاک کے تین آنے ہیں۔ غرض جب پارسال کے جلسے سے اِس نواح کے عام و خاص لوگوں کے دلوں پر کیا وہ لوگ جو جلسہ میں موجود تھے اور کیا وہ جن کو راوی صحیح ملے یہ اثر پیدا ہوا کہ مسلمانوں کے قلوب میں تو مولوی محمد قاسم صاحب کی روشن تقریروں نے نور ایمان کو جلا دیدی اور منشی پیارے لال کی بھی آنکھیں کھل گئیں کہ جس طرف اُن کی ٹکٹکی لگی ہوئی تھی اُدھر سیاہی جھلکتی نظر آنے لگی۔ اور عام ہنود کی یہ کیفیت ہوئی کہ جس گلی کوچہ میں مولوی صاحب نکلتے تھے اشارہ کر کے یہ لوگ کہتے تھے کہ یہ وہ مولوی ہیں جس نے پادریوں کو بند کر دیا تھا اور پھسلتے کو تھام لیا تھا۔ اور مولوی کیا ہے اوتار ہے تو بس اُس جلسے کے لطف نے ایسا خداشناسی کا شایق بنایا کہ یہ میلہ ہر سال کے واسطے موسم بہار میں مقرر ہوا چنانچہ اب کے ۱۹ و ۲۰ مارچ کو اسکا انعقاد تجویز ہو کر منشی پیارے لال نے اشتہار جابجا بھیجے اور جو عالم پارسال شریک جلسہ ہوئے تھے اُن کو بھی اور سوائے اُنکے اور مشہور عالموں کو اشتہار و خطوط بھیجکر اطلاع دی اخباروں میں بھی اشتہار چھپوایا۔ اور علاوہ اسکے یہ بھی شہرت ہوئی کہ اب کے بڑے بڑے نامی گرامی پنڈت و پادری وہاں آئینگے۔ اور اس شہرت نے یہ اثر کیا کہ مولوی محمد قاسم اور مولوی ابو المنصور صاحب نے اسوجہ سے کہ تہیدستی میں یہ مُفت کی زیر باری اور بے فائدہ تضیع اوقات ہے ارادہ جانے کا نہیں کیا تھا مگر صرف اِس خیال و شہرت سے کہ یہ مجمع بڑے بڑے بیدانیتوں اور مشاہیر کا ہوگا مبادا ہمارے نہ جانے کو لوگ طرح دینا سمجھیں توکل علی اللہ یہ دونوں صاحب اور دس بارہ اور بھی انکے ساتھ کچھ شوقین کچھ مناظرین دِلّی سے روانہ شاہجہان ہوئے۔ ۱۷ مارچ کو یہ سب صاحب تین بجے شاہجہانپور میں ریل سے اُترے۔ اور مولوی حفیظ اللہ خان صاحب استقبال

کے واسطے ریل پر کھڑے تھے۔ سب کو مولانا عبدالغفور صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ کے مکان پر لیگئے اور وہ مہمان نوازی کی کہ کیا کہئے۔ ۱۸۔ کو آرام کیا جلسے کے اوقات کی نسبت یہ بات معلوم ہوئی کہ دونوں تاریخوں مذکورہ بالا میں صبح کے ساڑھے سات بجے سے گیارہ بجے تک اور ایک بجے سے چار بجے تک گفتگو ہوگی۔ ۱۹۔ مارچ کو مناظرین اہل اسلام آخر رات سے اُٹھ کر راہی میدان مباحثہ ہوئے جو شاہجہانپور سے چھ سات کوس کے فاصلے پر تھا۔ اور سب صاحب سوار مولوی محمد قاسم صاحب پیادہ پا طلوع آفتاب سے کچھ بعد جا پہنچے۔ مولوی محمد قاسم صاحب نے ندی پر استنجے سے فراغت حاصل کرکے وضو کیا اور نوافل ادا کیئے اور نہایت خشوع وخضوع سے دُعا مانگی۔ غالباً وہ اعلائی کلمۃ اللہ کیلئے ہوگی۔ کیونکہ مولوی صاحب دلّی سے برابر یہ ہی ہر شخص سے فرماتے آتے تھے کہ اُس بے نیاز سے دُعا کرو کہ کلمۂ حق غالب آئے۔ الغرض میدان مباحثہ کو دیکھا تو چند خیمے استادہ ہیں مگر پادری صاحبوں کا پتہ نہیں۔ حیران ہوئے کہ وقت مباحثہ تو قریب آیا اور بحث کرنیوالا کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ خیر اہل اسلام تو اُس خیمہ کے متصل جو خاص مسلمانوں کے لئے نصب ہُوا تھا درختوں کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ اتنے میں موتی میاں صاحب آنریری مجسٹریٹ تشریف لائے اور صاحب سلامت کرکے انتظام میلہ میں مصروف ہوئے۔ جب ۹ بجے ہونگے تب ایک دو پادری چلتے پھرتے نظر آئے تھے۔ غرض ساڑھے سات بجے کی جگہ دس بجے اُس خیمہ میں لوگ جمع ہوئے جو مناظرہ کیلئے استادہ ہوا تھا۔ اوّل تو یہ مشورہ ہوا کہ تینوں فریق میں سے چند اشخاص منتخب ہوکر علیحدہ ہو بیٹھیں اور پہلے شرائط مباحثہ تجویز کرلیں بعد اسکے گفتگو شروع ہو۔ اہل اسلام میں سے مولوی محمد قاسم صاحب اور مولوی عبدالمجید صاحب پادریوں میں سے پادری نولس صاحب اور پادری واکر صاحب اور ہنود میں سے پنڈت دیانند صاحب سرستی اور منشی اندرمن صاحب منتخب ہوئے اور موتی میاں صاحب مہتمم جلسہ بھی شریک ہوئے۔ پادری نولس صاحب نے کہا کہ ہر ایک شخص کے درمیں سوال

جواب کے واسطے ۵ منٹ کی مدت مقرر ہوا سپر علماء اہل اسلام نے کہا کہ ۵ منٹ تھوڑے
ہیں اسمیں کیا خاک فضائل مذہب وا عتراض وجواب بیان ہوسکتے ہیں ہماری رائے میں
دو صورتوں میں سے ایک اختیار کرنی چاہیئے یا تو یہ کہ مباحثہ تین دن تک اس طور سے
ہے کہ ایک روز ایک مذہب والا اپنے دین کے فضائل گھنٹہ دو گھنٹہ بیان کرے اور پھر اُس
پر دوسرے مذہب والے اعتراض کریں جواب سُنیں۔ یا یہ ہونا چاہیئے کہ درس کے لیئے
تو کم از کم ایک گھنٹہ اور زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے مقرر ہوں اور سوال وجواب کے لیئے
دس منٹ سے بیس منٹ تک۔ سو پادری صاحبوں نے ان دونوں میں سے ایک امر
کو بھی منظور نہ کیا۔ ہر چند اُن سے کہا گیا کہ صاحب ۵ منٹ میں تو کچھ بھی بیان نہیں ہوسکتا
دُنیوی جھگڑے جو فروع سمجھے جاتے ہیں اُن میں ہفتوں پنچایت وبحث ہوتی ہو۔ یہ تحقیق
مذہب ۵ منٹ میں کیسے ہوسکتی ہے۔ اور ہم لوگ بھی تو اِس جلسہ کے ایک رکن ہیں ہماری
رائے کی رعایت بھی تو ضرور ہے۔ باوجود ہر طرح کی فہمایش کے پادری صاحبوں نے ایک
نہ سُنی۔ اور پادری صاحب یہ چال چلے کہ منشی پیارے لال اور مکتا پرشاد کو بھی رکن شوری قرار
دیا اور یہ کہا کہ یہ بانی مبانی میلہ ہیں انکی رائے بھی لینی ضرور ہی اور وہ بوجہ توافق پنہانی اور
نیز پنڈت صاحب بھی انکی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ اس طور پر پادری صاحب کو یہ عمدہ
بہانہ ہاتھ آیا کہ کثرت آرا کا اعتبار چاہیئے۔ سب پادریوں کو خیمہ میں بُلا لیا اور کہا کہ
اعتبار کثرت آرا کا چاہیئے۔ غرض جس بات کو پادری نولس صاحب کہتے تھے حضرات
ہنود بھی ہاں میں ہاں ملادیتے اور تسلیم کرتے تھے۔ ناچار مولوی صاحب یہ کہہ کر اُٹھ کھڑے
ہوئے کہ آپ لوگوں کی جو رائے میں آتا ہے وہی کرتے ہیں ہم سے مشورہ کرنا فضول
ہے۔ تین گھنٹے سے ہم مغز مار رہے ہیں آپ ایک نہیں سُنتے۔ اب جو آپکی رائے میں آئے
سو کیجیے ہم ہر طرح گفتگو کرنے کو موجود ہیں چاہے ۵ منٹ مقرر کیجیے خواہ اِس سے بھی کم۔
مولوی صاحب جب اپنے خیمہ میں تشریف لے آئے تو منشی پیارے لال نے چاہا کہ موتی میاں

صاحب سے کچھ مشورہ کریں ۔ موتی میاں صاحب نے ترش رو ہو کر فرمایا کہ میں آیندہ سال شریک جلسہ
ہونگا اسکے کیا معنی کہ مسلمان جو کہتے ہیں اُنکے کہنے پر تو التفات بھی نہیں کرتے اور پادری
صاحبوں کے کہنے پر بے سوچے سمجھے ہاتھ اُٹھا کر تسلیم کر لیتے ہو ۔ یہ بات بالکل سازش اور
اتفاق باہمی پر دلالت کرتی ہے اس کے بعد منشی پیارے لال مولوی محمد قاسم صاحب کے
پاس آئے اور عذر معذرت کرنے لگے کہ میں مجبور ہوں پادری صاحب میری بھی نہیں سنتے
البتہ آپ سے مجھ کو توقع ہے کہ آپ میری عرض قبول فرمائینگے ۔ اسپر مولویصاحب نے فرمایا کہ خیر
صاحب ہم کو تو ناچار قبول کرنا ہی پڑے گا ۔ البتہ آپ سے یہ شکایت ہے کہ آپ بانی جلسہ
ہو کر عیسائیوں کی طرفداری کرتے ہیں ۔ آپ کو سب کی رعایت برابر کرنی چاہیئے ۔ منشی
پیارے لال نے پھر عذر کیا اور مولانا کا بہت کچھ شکریہ ادا کیا کہ آپ صاحب تو سب کچھ قبول
کر لیتے ہیں پادری صاحب بڑے ہٹ دھرم ہیں کہ کسی کی نہیں سنتے اگر اُنکے خلاف کیا
جاوے تو چلے جانے کا اندیشہ ہے ۔ اسی اثنا میں مولانا نے یہ بھی فرمایا کہ منشی صاحب
خیر یہ تو جو ہوا سو ہوا لیکن آپ اتنا کیجئے اور پادریصاحب سے کہئے کہ آج کا نصف دن تو اسی
جھگڑے میں ختم ہو گیا اسکے عوض میں یہ کرنا چاہیئے کہ ایک روز مباحثہ کیلئے اور بڑھایا جاوے
اور دو کی جگہ تین دن مقرر ہوں ۔ دوسرے یہ کہ وعظ کیلئے ۳۰ منٹ مقرر ہوں ۔ منشی
پیارے لال نے اسکو تو خود تسلیم کر لیا اور پادریوں کیطرف سے یہ جواب لائے کہ پادری نولس
صاحب کہتے ہیں کہ یہ دونوں امر ہم کو منظور نہیں مگر میرے قیام کے لئے اگر کوئی امر مانع
ہوا تو پادری اسکاٹ صاحب جو آج آنیوالے ہیں تیسرے روز بھی ٹھیرینگے وہ آپ سے
گفتگو کرینگے ۔ اسکے بعد اہل اسلام نے کھانا کھایا اور ظہر کی نماز پڑھی ۔ پھر سنا کہ لوگ اب
خیمہ مباحثہ میں جانیوالے ہیں مناظرین اہل اسلام اُس خیمہ میں داخل ہوئے ۔ حضرات ہنود کے
آنے میں کچھ دیر تھی اور اُن کے آنے سے پہلے تمام شامیانہ آدمیوں سے بھر گیا تھا ۔
مناظرین اہل ہنود کے انتظار میں جو وقت گذرا ۔ اُس میں مولوی محمد قاسم صاحب نے

پادری نولس صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپنے ہمارے بار بار کہنے سے بھی افزایش وقت کو تو تسلیم نہ کیا خیر اس کو قبول کیجئے کہ بعد اختتام وقت جلسہ کے یعنی چار بجے کے بعد کل ہم ایک گھنٹہ وعظ کہیں گے آپ بھی اُس محفل میں شریک ہوں - اور بعد ختم وعظ کے اعتراض کرنے کا بھی اختیار ہے - بلکہ جس صاحب کے دل میں آئے وہ اعتراض کریں ہم جواب دینگے پادری صاحب نے کہا کہ اگر ہم بھی اسیطرح خارج وقت میں درس دیں گے تو تم بھی سنو گے - مولانا نے فرمایا ضرور ہم لوگ بھی شریک ہونگے بشرطیکہ اعتراض کرنے کے مجاز ہوں پادری صاحب نے کہا تو اچھا ہم بھی شریک ہونگے - اسی اثنار میں حضرات ہنود بھی آگئے اور اس باب میں گفتگو ہوئی کہ پہلے کیا مضمون بیان ہوگا - باتفاق رائے یہ بات قرار پائی کہ پہلے خدا کی ذات وصفات کا بیان ہو - اتنے میں منشی پیارے لال بانی مبانی جلسہ نے ایک کاغذ اُردو لکھا ہُوا پیش کیا کہ یہ پانچ سوال ہماری طرف سے پیش ہوتے ہیں ان کا جواب پہلے دینا چاہئے اور وہ سوال یہ تھے کہ :-

سوال اوّل - دُنیا کو پرمیشر نے کس چیز سے بنایا اور کس وقت اور کس واسطے ؟

سوال دوم - پرمیشر کی ذات محیط کُل ہے یا نہیں ؟

سوال سوم - پرمیشر عادل ہے اور رحیم ہے دونوں کسطرح ہے ؟

سوال چہارم - وید اور بائیبل اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں کیا دلیل ہے ؟

سوال پنجم - نجات کیا چیز ہے اور کسطرح حاصل ہوسکتی ہے ؟

سوالات از طرف بانی جلسہ

اہل جلسہ نے اِن سوالوں کے جواب دینے کو قبول کیا لیکن انبوہ شایقین اسقدر ہوگیا تھا کہ شامیانے میں نہ بیٹھنے کی جگہ تھی نہ کھڑے ہونے کی - اسلئے یہاں سے جلسہ پھر اُکھڑا اور شامیانے سے باہر میدان میں فرش ہُوا - بیچ میں میز بچھائی گئی اور اُسکے متصل ایک تخت جس پر واعظ خواہ معترض یا مجیب کھڑا ہو کر تقریر کرے - اور گرداگرد کرسیاں اور صندلیاں بچھائی گئیں - کرسیوں پر علمار اہل اِسلام اور پادری لوگ اور پنڈت اور منتظم جلسہ اور تحریر

کرنے والے بیٹھے ۔ باقی سب فرش پر اور فرش کے گرد عام لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ
کھڑے ہوئے ۔ جب مجلس جم گئی تو اس میں گفتگو ہوئی کہ پہلے کون اِن سوالوں کے جواب
دینے شروع کرے گا ۔ پنڈت صاحبوں سے کہا گیا کہ محفل شوری میں آپ کہہ چکے ہیں کہ
آج ہم درس دیں گے سو آپ بیان کریں ۔ اُنہوں نے پہلو تہی کی ۔ پادری نولس صاحب
اُن سے اصرار کر چکے تو مولوی محمد قاسم صاحب کی طرف متوجہ ہوئے ۔ مولانا نے
فرمایا کہ ہمیں کچھ عذر نہیں ۔ مگر انصاف مقتضی اسی کا تھا کہ سب کے بعد ہم بیان کرتے
کیونکہ دین بھی ہمارا سب سے پچھلا ہے ۔ اس پر پادری صاحب نے پنڈت دیانند سرستی
صاحب سے کہا کہ آپ کیوں نہیں کہتے ؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ اچھا میں کہتا ہوں مگر
جب اور سب بیان کر چکیں گے تو پھر میں بیان کرونگا ورنہ میرا بیان سب سے ماضی پڑ جاویگا ۔
غرض اسی ردوکد میں چار بج گئے تو پادری صاحب نے مولوی صاحب سے کہا کہ اچھا مولوی
صاحب آپ اپنا وعظ کل کی جگہ آج ہی کہہ ڈالئے ۔ کل پہلے پنڈت صاحب اِن سوالوں کا
جواب دیں گے ۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ بہت اچھا مجھے تو سوالوں کے جواب دینے
میں آج بھی عذر نہیں آپ خود ہی ایکدوسرے پر حوالہ کرتے ہیں اور نہ کوئی وعظ کی
حامی بھرتا ہے نہ جوابوں کی ۔ خیر اب سب صاحب ذرا توقف کریں ہم نماز عصر پڑھ
لیں آج وعظ کی ابتدا ہم ہی کرتے ہیں اور کل جواب بھی پہلے ہم ہی دیں گے ۔
اور جس صاحب کے جی میں آئے وہ اعتراض کریں ۔ یہ کہکر مولانا نماز پڑھ آئے
اور کھڑے ہو کر ایسا زور و شور کا وعظ کہا کہ تمام جلسہ حیران رہ گیا ۔ اور ہر شخص پر ایک
سکتے کا عالم تھا ۔ اُس وعظ کی تقریر یہ ہے :-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وعظ

اے حاضران جلسہ - یہ کمترین بغرض خیرخواہی کچھ عرض کیا چاہتا ہے - سب صاحب بگوش ہوش سنیں - میری یہ گذارش بہ نظر خیرخواہی دنیا نہیں بلحاظ خیر اندیشی دین و آخرت ہے - غرض اصلی میری یہ ہی کہ وہ عقائد و احکام جن کو عقاید دینی اور احکام خداوندی سمجھتا ہوں - سب حاضران جلسہ کو بالاجمال سناؤں اور اس لحاظ سے مجھ کو یہ وہم ہے کہ شاید حاضران جلسہ میری بدافعالی اور خستہ حالی پر نظر کر کے میری گذارش پر کچھ دل نہ لگائیں اور دل میں یہ فرمائیں کہ خودرا فضیحت و دیگراں را نصیحت مگر اہل عقل خود جانتے ہونگے کہ طبیب کا بد پرہیز ہونا مریض کو مضر نہیں اسیطرح اگر میں خود اپنے کہے پر عمل نہ کروں اور دوسروں کو سمجھاؤں تو دوسروں کو کیا نقصان ہے - جو میری گذارش کو قبول نہ فرمائیں - علی ہذالقیاس منادی کرنیوالے کا بھنگی ہونا حکام دنیا کے احکام قبول کرنے اور تسلیم کرنے کو مانع نہیں - اسکو کوئی نہیں دیکھتا کہ سنانے والا بھنگی ہی - غریب ہوں یا امیر عام لوگ ہوں یا نواب - بھنگی کی زبان سے احکام بادشاہی سنکر سر نیاز خم کر دیتے ہیں - جب حکام دنیا احکام کی اطاعت میں یہ حال ہی تو احکم الحاکمین خداوند رب العلمین کے احکام کی اطاعت میں بھی میری خستہ حالی پر نظر نہ کیجئے - اس سے بھی کیا کم کہ مجھ کو بھی بمنزلہ ایک بھنگی کے سمجھیئے - غرض مجھ کو نہ دیکھیئے اسکو دیکھیئے کہ میں کسکے احکام سناتا ہوں اور کس کی عظمت اور شان سے مطلع کرتا ہوں - وہ بات جو سب میں اول لایق توجہ و اطلاع ہے اپنے وجود کی کیفیت ہے - کون نہیں جانتا کہ سب میں اول آدمی کو اپنی ہی اطلاع ہوتی

ہے۔ اور سوا اپنے جس چیز کو جانتا ہے اپنے بعد جانتا ہے۔ اسلئے سب میں اوّل لائق توجہ تام اور دربارہ علم قابل اہتمام بھی اپنے ہی وجود کی کیفیت ہے۔ مگر اپنے وجود کی کیفیت یہ ہے کہ دائم و قائم نہیں۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ ہم پردۂ عدم میں مستور تھے اور اُسکے بعد یہ زمانہ آیا کہ ہم موجود کہلائے اور طرح طرح کے آثار وجود ہم سے ظہور میں آئے اور پھر اُسکے بعد ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ یہ ہمارا وجود پھر ہم سے مثل سابق علیحدہ ہوجائے گا اور ہمارا ذکر جانے دو ہم سے پہلے اور ہمارے سامنے کسقدر محدود بنی آدم وغیرہم وجود میں آکر معدوم ہوگئے۔ غرض زمانہ وجود بنی آدم وغیرہم دو عدموں کے بیچ میں ایک زمانہ محدود ہے۔ اس انفصال و اتصال و آمد و شد وجود سے یہ نمایاں ہے کہ ہمارا وجود مثل نور زمین جس کو دھوپ یا چاندنی کہتے ہیں اور مثل حرارتِ آب گرم صفت خانہ زاد نہیں بلکہ عطائے غیر ہے لیکن جیسے نور زمین اور حرارت آب گرم کا سلسلہ آفتاب اور آتش پر ختم ہوجاتا ہے اسلئے بہ نسبت آفتاب و آتش کوئی شخص یہ خیال نہیں کرسکتا کہ عالم اسباب میں آفتاب و آتش میں کسی اور کا فیض ہے بلکہ ہر شخص یہی خیال کرتا ہے کہ آفتاب و آتش میں نور و حرارت خانہ زاد ہے اور اسلئے ہر حال میں نور و حرارت آفتاب و آتش کو لازم و ملازم رہتے ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا ہے کہ مثل نور زمین و حرارت آب آفتاب و آتش سے بھی نور و حرارت منفصل ہوجائے ایسے ہی یہ بھی ضرور ہے بلکہ اُس سے بھی زیادہ ضرور ہے کہ ہمارے تمہارے وجود کا سلسلہ کسی ایسے موجود پر ختم ہوجائے جس کا وجود اُسکے ساتھ ہر دم لازم و ملازم رہے اور اُس کا وجود اُس کے حق میں خانہ زاد ہو۔ عطائے غیر نہ ہو۔ ہم اُسی کو خدا کہتے ہیں اور اسی لئے کہتے ہیں کہ اُسکا وجود عطائے غیر نہیں خود اُسی کا ہے۔ جب ہماری نسبت بوجہ ناپائداری وجود خدا کا ہونا ضرور ہی ٹھیرا تو اب اُن اشیار کی نسبت بھی اس بات کا دریافت کرنا ضروری ہے جسکا وجود بظاہر نظر پائدار نظر آتا ہے جیسے زمین و آسمان۔ دریائے شور۔ ہوا۔ چاند و سورج۔ ستارے

کہ نہ کسی نے ان کا عدم سابق دیکھا اور نہ اب تک عدم لاحق ہونے کی اُنکو نوبت آئی۔ اس لئے یہ گذارش ہے کہ زمین و آسمان وغیرہا اشیاء مذکورہ کو ہم دیکھتے ہیں کہ مثل اشیاء ناپائدار انمیں بھی دو دو باتیں ہیں ایک تو یہی وجود اور ہستی جو تمام اشیاء میں مشترک معلوم ہوتا ہے دوسرے وہ بات جس سے ایک دوسرے سے متمیز ہے اور جن کے وسیلے سے ایک کو دوسرے سے پہچان لیتے ہیں اور دیکھتے ہی سمجھ لیتے ہیں کہ یہ فلانی چیز ہے اس چیز کو ہم حقیقت کہتے ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں کہ وجود اور حقیقت دونوں باہم ایسا رابطہ نہیں رکھتے کہ ایک دوسرے سے جدا ہی نہ ہو سکے اور مثل اثنین اور زوجیت یعنی دو اور جفت ہونے کی ایکدوسرے کے ساتھ ایسا مربوط اور متلازم نہیں کہ ایک دوسرے کا کسی طرح پیچھا ہی نہ چھوڑے۔ عدد اثنین سے اسکی زوجیت نہ خارج میں اُس سے جدی ہو اور نہ ذہن میں علیحدہ ہو علیٰ ہذا القیاس زوجیت سے عدد اثنین علیحدہ نہیں ہوتا۔ چار اور چھ اور آٹھ وغیرہ اعداد میں بھی اگر زوجیت پائی جاتی ہے تو اسی دو کے عدد کی بدولت پائی جاتی ہو وجہ اس کی یہ ہے کہ زوجیت کے معنی یہی ہیں کہ دو ٹکڑے صحیح بلا کسر برابر نکل آئیں۔ اور ظاہر ہو کہ یہ بات یعنی دو ٹکڑوں کا برابر نکل آنا اسپر موقوف ہو کہ عدد مفروض چند اثنین یعنی چند دو کا مجموعہ ہو غرض اثنین اور زوجیت میں طرفین سے تلازم ہے نہ یہ اُس سے جُدا ہو سکے نہ وہ اس سے علیحدہ ہو سکے نہ ذہن میں نہ خارج میں اور ظاہر ہو کہ اس قسم کا ارتباط اشیاء مذکورہ کے وجود اور اُنکے حقایق میں ہرگز نہیں یہ نہیں کہ جیسے اثنین اور زوجیت کی جدائی کسی کی عقل میں نہیں آسکتی ایسے ہی اشیاء مذکورہ کے وجود اور حقایق کی جُدائی کسی کی عقل میں نہ آسکے۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ آسمان و زمین کا معدوم ہو جانا عقل میں آسکتا ہے ہاں خود وجود اور اُس ذات کا معدوم ہونا جو صفت کے وجود کے حق میں ایسی ہو جیسے زوجیت کے حق میں اثنین۔ البتہ عقل میں نہیں آسکتا کون نہیں جانتا کہ وجود کا معدوم ہو جانا ایسا ہے جیسا خود نور کا نور ہو کر کالا سیاہ ہو جانا اندھیرا بنجانا اور جب وجود قابل عدم نہیں تو پھر وہ ذات جو وجود کی بھی اصل ہے اور وجود اُسکے حق میں خانہ زاد ہے۔

کیونکر معدوم ہوسکے۔ الحاصل وجود زمین وآسمان اُن کے حقایق سے علیحدہ ہیں اور اس لئے یوں نہیں کہہ سکتے کہ اُن کا وجود اُن کا خانہ زاد ہو۔ اور جب خانہ زاد نہیں تو پھر بے شک عطائے غیر ہوگی اور قبل عطا اُن کا معدوم ہونا ثابت ہوگا جس سے اُن کے وجود کے لئے ایک ابتدا نکل آئیگی۔ اور اُن کی قدامت باطل ہوجائیگی گو وہ ابتدار تمام بنی آدم کے موجود ہونے سے سابق ہو اور اسلئے اپنے آپ ہم میں سے کسی کو اُسکی اطلاع نہ ہوئی ہو اور اسیطرح اُنکا پھر معدوم ہوجانا ممکن ہوگا کیونکہ جب وجود اشیار مذکورہ مثل نور زمین اور حرارت آب گرم عطار غیر ہوگا تو مثل نور زمین وحرارت آب اُنکا پھر جدا ہوجانا بھی ممکن ہوگا مگر جب وجود اشیار مذکورہ بھی عطار غیر نکلا تو بیشک حسب بیان سابق اُس غیر کا وجود جسکی یہ عطا ہی اُسکا خانہ زاد ہوگا اور اسلئے اُسکا وجود اُس سے بھی کبھی نہ علیحدہ تھا نہ آیندہ علیحدہ ہو۔ غرض ہمیشہ سے اُس کا وجود تھا اور ہمیشہ تک رہیگا۔ اب یہ بات دیکھنی باقی رہی کہ اس قسم کا موجود جسکا وجود اُسکا خانہ زاد ہو ایک ہی ہے یا متعدد ہیں۔ اور ایک ہی تو اس سے زیادہ ممکن ہی یا محال ہی اسلئے یہ گذارش ہی کہ جیسے سیاہی۔ سفیدی۔ انسانیت حیوانیت وغیرہ اوصاف کے احاطہ میں قلیل وکثیر اشیار داخل ہیں یعنی بہت سی اشیار سفید ہیں بہت سی سیاہ بہت سے انسان ہیں بہت سے حیوان۔ ایسے ہی وجود کے احاطہ میں بھی یہی حال ہی۔ لیکن سب اوصاف کے احاطے سے احاطہ وجود وسیع ہے بلکہ اُس سے اوپر کوئی احاطہ ہی نہیں یعنی جیسے انسانیت کے احاطہ سے اوپر احاطہ حیوانیت ہے جس میں انسان غیر انسان گدھا۔ گھوڑا۔ اونٹ بیل بھیڑ بکری وغیرہا سب داخل ہیں ایسے ہی وجود کے احاطہ سے اوپر کوئی اور ایسا احاطہ نہیں کہ اُسمیں موجود وغیر موجود داخل ہو کیونکہ غیر موجود اگر ہو تو معدوم ہی ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ معدوم کسی وصف کے احاطہ میں داخل ہی نہیں کیونکہ ہر وصف کے حاصل ہونے کیلئے اوّل وجود کا ہونا ضرور ہے چنانچہ ظاہر ہے مگر جب وجود کا احاطہ سب احاطوں سے وسیع اور سب میں اوپر ہے تو بالضرور وجود ایک وصف غیر محدود ہوگا۔ کیونکہ ہر محدود کے لئے یہ ضرور ہے کہ وہ کسی ایسی

وسیع چیز کا ٹکڑا ہوگا یا ایسی چیز میں سمائی ہوئی ہو جو اُس سے زیادہ ہو مثلاً ہر مکان اور محلہ اور شہر ضلع۔ ولایت وغیرہ محدود چیزیں ہیں لیکن اُنکے محدود ہونے کے یہی معنی ہیں کہ یہ سب چیزیں زمین کے قطعات ہیں جو اِن چیزوں سے زیادہ وسیع ہے اور زمین و آسمان اگر محدود ہیں تو اُس کے یہ معنی ہیں کہ اس فضاء وسیع میں جو آنکھوں سے نظر آتا ہے سمائی ہوئی ہیں۔ الغرض اگر وجود کو محدود کہیئے تو یہ ضرور ہے کہ وہ کسی وسیع چیز کا ٹکڑا ہو یا کسی وسیع چیز میں سمایا ہوا ہو مگر وہ کون ہے جو نہیں جانتا کہ وجود سے زیادہ وسیع چیز نہیں تمام اشیا وجود کے احاطہ میں داخل ہیں پر وجود کسی کے احاطہ میں داخل نہیں اسلیئے خواہ مخواہ اس بات کا اقرار کرنا ضرور ہے کہ وجود غیر محدود ہے۔ جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو اب یہ خیال فرمایئے کہ نہ احاطۂ وجود میں خدا کا ثانی ہو سکتا ہے اور نہ وجود کے احاطہ سے خارج اس کا ثانی ممکن ہے احاطہ وجود میں محال ہونے کی وجہ تو یہ ہے کہ جب ہمارا تمہارا وجود باوجود اس ضعف کے جو اُسکے عطار غیر ہونے سے نمایاں ہے غیر کو اپنے احاطہ میں گھسنے نہیں دیتا خدا کا وجود اس قوت پر کہ اُسکا خانہ زاد ہونا اُسکی دلیل ہے۔ کیونکہ اپنے ثانی کو اپنے احاطے میں قدم رکھنے دیگا + القصہ جیسے ہم تم جہاں تک پھیلے ہوئے ہوتے ہیں وہاں تک اور دوسرا نہیں آسکتا اور آجائے تو پھر ہم وہاں نہیں رہ سکتے علیٰ ہذا القیاس ایک میان میں دو تلواریں نہیں آتیں اور سیر بھر کے برتن میں دو سیر غلہ نہیں سما سکتا ایسے ہی بلکہ اس سے بڑھ کر خدا کے احاطے میں خدا کے ثانی کا آنا اور سمانا سمجھیئے کیونکہ آفتاب کے نور کے مقابلے میں جو اُس کی ذات کے ساتھ چسپاں نظر آتا ہے یہ دھوپ برائے نام نور ہے اور نہایت ہی درجہ کو ضعیف ہے ایسے ہی بمقابلہ خدا کے وجود کے جو اُسکی ذات کے ساتھ لازم و ملازم ہے مخلوقات یعنی اور اشیا کا وجود برائے نام وجود ہے اور نہایت ہی درجہ کو ضعیف ہی مگر جب اِس ضعف پر ہمارے وجود میں یہ قوت ہے کہ غیر کو اپنی حد میں قدم رکھنے نہیں دیتا تو خدا کا وجود اس قوت پر کاہے کو اور کسی خدا کی مداخلت کا روادار

ہوگا اور خارج از احاطہ خدا کے ثانی نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ احاطۂ وجود غیر محدود اُس کے سوا اور اُس سے باہر کوئی جگہ ہی نہیں جو کسی دوسرے کے ہونیکا احتمال ہو اسلئے اس بات کا اقرار ہر عاقل کے ذمّے ضرور ہے کہ خالق کائنات کو ایک ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ سمجھے۔ اور احتمال تعدّد کو دِل سے اُٹھا دھرے۔ اسی تقریر سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ مسئلہ تثلیث جس پر مدار کار ایمان نصاریٰ فی زمانہٖ ہے سراسر غلط ہے۔ وہاں تعدد کی گنجایش ہی نہیں جو تثلیث تک نوبت پہونچے اور پھر وہ بھی اس طرح کہ باوجود تعدد حقیقی وحدت حقیقی بھی باقی رہے کیونکہ وحدت اور کثرت دونوں باہم ضد یکدگر ہیں اور ظاہر ہے کہ اجتماع ضدین محال ہے جیسے یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک آن میں ایک شئے سیاہ بھی ہو اور سفید بھی ہو۔ گرم بھی ہو سرد بھی ہو یا ایک وقت میں ایک جگہ دن بھی ہو رات بھی ہو دوپہر بھی ہو آدھی رات بھی ہو۔ ایک شخص ایک وقت میں عالم بھی ہو جاہل بھی ہو بیمار بھی ہو تندرست بھی ہو موجود بھی ہو معدوم بھی ہو ایسے ہی یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ خدا تعالےٰ ایک بھی ہو اور تین بھی ہو وحدت بھی حقیقی ہو اور کثرت بھی حقیقی ہو۔ علیٰ ہذا القیاس جیسے اضداد مذکورہ کا اجتماع محال ہے ایسے ہی خدائی اور احتیاج کا اجتماع بھی محال ہے کیونکہ خدائی کو استغنا ضرور ہے آفتاب تو فقط اس وجہ سے کہ زمین کی نسبت معطی نور ہے۔ نور زمین کا محتاج نہ ہو۔ خداوند عالم باوجودیکہ تمام عالم کے حق میں معطی وجود ہے عالم کا یا عالم میں سے کسی کا محتاج ہو کیونکہ ہر چیز وصف ہو یا موصوف ہو اپنی ہستی میں خدا کی محتاج ہے پھر کیونکر ہوسکتا ہے کہ خداوند عالم کسی بات میں کسی کا محتاج ہو جس چیز میں خدا کو محتاج کہیئے گا اُس سے پہلے اس چیز کو خدا کا محتاج کہنا پڑے گا اور ظاہر ہے کہ احتیاج کے یہی معنی ہیں کہ اپنے پاس ایک چیز نہ ہو اور جس کیطرف احتیاج ہو اُس کے پاس وہ چیز موجود ہو جب ہر بات میں ہر چیز کو خدا تعالےٰ کا

محتاج مانا تو جو کچھ جہان میں احتیاج کے قابل ہوگا خداوند عالم میں وہ پہلے ہوگا۔ ہاں
خود احتیاج اور سامان احتیاج اُس میں نہ ہوں گے علے ہذا القیاس یہ بھی ظاہر ہے کہ خود
محتاج کا اُس پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ہوسکتا۔ جس کا خود محتاج ہے۔ ہاں معاملہ بالعکس
ہوا کرتا ہے یعنی ہمیشہ محتاج پر اُسکا دباؤ رہتا ہے جس کا محتاج ہوتا ہے۔ اس لئے یہ
ضرور ہے کہ نہ خدا تعالےٰ میں کسی قسم کی احتیاج ہو نہ اُسپر کسی قسم کا دباؤ ہو اُس کا وجود
ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ کو رہے یہ نہ ہو کہ اُس کے وجود کے لئے ابتدا و انتہا ہو اس صورت
میں کیونکر کہدیجئے کہ حضرت عیسےٰ یا سری رامچندر جی وغیرہ خدا تھے اُن کے وجود کی
ابتدا اور انتہا معلوم کھانے پینے کا محتاج ہونا اور پاخانہ پیشاب مرض اور موت کا
دباؤ سب پر آشکارا ایسی ایسی چیزوں کی احتیاج اور ایسی ایسی چیزوں کے دباؤ
کے بعد بھی خدائی کا اعتقاد عقل اور انصاف سے سراسر بعید ہے۔ اس کے بعد
پھر یہ گذارش ہے کہ وہ خداوند عالم جیسے اپنی ذات میں یکتا اور وحدہ لا شریک لہ
ہے ایسے ہی جامع کمالات و صفات بھی ہے اور کیوں نہ ہو عالم میں جس صفت کو دیکھئے
اپنے موصوف کے حق میں وجود کی تابع ہے۔ یعنی قبل وجود کسی صفت کا ثبوت ممکن نہیں
رہا امکان اور عدم واقع میں یہ دونوں باتیں وصف نہیں بلکہ سلب وصف ہیں عدم
میں تو ظاہر ہے سلب وجود ہوتا ہے۔ رہا امکان اس میں سلب ضرورت وجود ہوتا
ہے اور عام لوگوں کے محاورہ کے موافق امکان کا استعمال قبل وجود ہی ہوتا ہے جب
یوں بولتے ہیں کہ یہ چیز ممکن ہے تو ہر کوئی یہی سمجھتا ہے کہ یہ چیز بالفعل موجود نہیں۔ مگر ہاں
جیسے سایہ جو واقع میں عدم النور ہے بوجہ غلطی ایک چیز نظر آتی ہے ایسے ہی عدم اور امکان
میں بھی بوجہ غلط فہمی اوصاف معلوم ہوتے ہیں مگر جب تمام اوصاف اپنے ثبوت و حصول
میں وجود کے محتاج ہوئے تو بیشک یہی کہنا پڑیگا کہ تمام اوصاف اصل میں وجود کے
اوصاف ہیں یعنی وجود کے حق میں عطاء غیر نہیں بلکہ تمام اوصاف یعنی کمالات وجودی وجود

کے حق میں خانہ زاد ہیں ورنہ جیسے نور زمین اور گرمی آب گرم زمین اور پانی سے علیحدہ ہو کر بھی پائی جاتی ہیں ایسے ہی اوصاف وجودی بھی وجود سے علیحدہ ہو کر پائے جاتے ہیں اس صورت میں بالضرور جو منبع وجود ہوگا وہی منبع اوصاف بھی ہوگا پر جہاں جہاں وجود ہوگا وہاں وہاں تمام اوصاف بھی قلیل اور کثیر ضرور ہونگے ۔ اگر فرق ہوگا تو ایسا ہوگا جیسا آئینہ اور پتھر میں فرق ہے یعنی بوجہ فرق حسن قابلیت و عدم حسن قابلیت آئینہ میں بہ نسبت پتھر کے زیادہ نور آجاتا ہے اس لئے یہ ضرور ہے کہ تمام کائنات میں علم و ادراک و قوت حس و حرکت قلیل و کثیر ضرور ہو ۔ بہت ہو تو یہ ہو کہ انسان وغیرہ میں علم و ادراک زیادہ ہو اور حیوانات میں اُس سے کم اور نباتات میں اُس سے کم اور جمادات یعنی زمین و آسمان اینٹ پتھر وغیرہ میں اُن سے بھی کم ۔ یا فرض کیجئے معاملہ بالعکس ہو مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ زمین پہاڑ اینٹ پتھر علم و ادراک اور قوت حرکت سے بالکل خالی ہوں ۔ باقی رہا ہم کو نہ معلوم ہونا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ اوصاف نہ ہوں ۔ چنانچہ ظاہر ہے ۔ بہر حال خداوند عالم بلکہ تمام عالم میں تمام کمالات کا ہونا ضروری ہے اور تمام کائنات کا وجود اور کمالات میں خداوند عالم کا محتاج ہونا بدیہی ہے اس لئے یہ بھی ضرور ہے کہ خداوند عالم تمام عالم کے حق میں واجب الاطاعت ہو اور تمام عالم کے ذمے اُس کی اطاعت اور فرمانبرداری واجب و لازم ہو کیونکہ وجوہ فرمانبرداری بظاہر کُل تین ہیں اور حقیقت میں دو ہیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کوئی کسی کی تابعداری یا اُمید نفع پر کرتا ہے جیسے نوکر اپنے میاں کی تابعداری تنخواہ کی اُمید پر کرتا ہے یا اندیشۂ نقصان کے باعث اُس کی فرمانبرداری اور تابعداری کرتا ہے جیسے رعیت حکام کی اطاعت اور مظلوم ظالم کی تابعداری کیا کرتے ہیں یا بوجہ محبت کوئی کسی کی تابعداری کیا کرتا ہے جیسے عاشق اپنے معشوقوں کی تابعداری کیا کرتے ہیں مگر امید و اندیشہ کو دیکھئے تو اختیار نفع و نقصان کیطرف راجع ہیں جس کے اصل کو

ٹوٹ لیئے تو مالکیت اوصاف وکمالات نکلتے ہی یعنی مالک اصلی کو اختیار داد ودستداوصاف وکمالات ہوتا ہے اور مستعیر کو اختیار ردّ وانکار نہیں ہوتا۔ چنانچہ آفتاب زمین کے حال سے نمایاں ہے کہ آفتاب وقت طلوع زمین کو نور عطا کرتا ہے تو زمین اُس کو رد نہیں کرسکتی اور وقت غروب اُس نور کو آفتاب چھین لیتا ہے تو زمین سے انکار نہیں ہوسکتا۔ وجہ اس کی بجز اس کے اَور کیا ہے کہ آفتاب مالک النور ہے اور زمین فقط مستعیر ہے۔ الحاصل وجوہ فرمانبرداری واسباب اطاعت بظاہر تین ہیں۔ امید نفع۔ اندیشۂ نقصان۔ محبّت۔ اور حقیقت میں کل دو سبب ہیں ایک مالکیت دوسری محبت اور اس سے زیادہ تنقیح کیجئے تو اصل سبب اطاعت محبت ہے۔ اتنا فرق ہے کہ کہیں محبت مطاع موجب اطاعت ہوتی ہے اور کہیں محبّت مال وجان باعث فرمانبرداری ہوجاتی ہے عشاق کی اطاعت اور فرمانبرداری میں مطاع کی محبت باعث اطاعت ہوتی ہے اور نوکر کی اطاعت میں محبّت مال وجان۔ علی ہذا القیاس رعیت کی اطاعت میں محبت جان ومال موجب فرمانبرداری ہوتی ہے۔ مگر ہرچہ بادا باد وجہ اطاعت ایک ہو یا دو یا تین جو کچھ ہو وہ خدا میں اوّل ہے اَوروں میں اُسکے بعد۔ کیونکہ مالکیت اور اختیار نفع ونقصان بھی ہستی اور وجود پر موقوف ہے اور جمال . . . .

و محبوبیّت بھی وجود ہستی ہی پر موقوف ہے جہاں وجود اور ہستی کی اصل ہوگی وہیں مالکیت اور اختیار مذکور اور جمال ومحبوبیّت بھی ہونگی مثل وجود مالکیت واختیار محبوبیت بھی اَوروں میں اُسی کی عطا ہوگی اور اُسی کا فیض ہوگا۔ جب مخلوقات میں وجوہ مذکورہ سرمایہ اطاعت ہیں تو خداوند عالم کے حق میں یہ باتیں کیونکر سامان اطاعت وفرمانبرداری نہ ہونگی۔ القصہ جب اسباب اطاعت وفرمانبرداری سکے سب کے سب خداوند عالم میں موجود ہیں اور وہ بھی اسطرح کہ اوروں میں اس قسم کی چیز اگر ہے تو اسی کا فیض ہے تو بیشک خداوند عالم تمام عالم کے حق میں واجب الاطاعت ہوگا لیکن اطاعت اور فرمانبرداری

اور تابعداری اس کو کہتے ہیں کہ دوسروں کی مرضی کے موافق کام کیا جاوے ورنہ خلاف مرضی کرنے پر بھی طاعت اور بندگی اور فرمانبرداری ہی رہی تو پھر گناہ و خطا اور طاعت و بندگی میں کیا فرق رہے گا۔ الحاصل اطاعت کے لئے توافق رضا ضرور ہے لیکن رضا و عدم رضا کا یہ حال ہے کہ ہم باوجودیکہ سراپا ظاہر ہیں ہماری مرضی و عدم مرضی ایسی مخفی ہے کہ بے ہمارے اظہار کے ظاہر نہیں ہوسکتی۔ بے ہمارے بتلائے کسیکو اطلاع نہیں ہوسکتی بے ہماری تصریح یا اشارہ کنایہ کے کسیکو خبر نہیں ہوسکتی اسصورت میں اس خداوند عالم کی مرضی و عدم مرضی اِس پوشیدگی پر کہ آجتک خدا تعالے کو کسی نے دیکھا ہی نہیں بے خدا کے بتلائے کسی کو کیونکر اطلاع ہوسکتی ہے۔ لیکن بادشاہان دُنیا و محبوبان دار فنا کو ہم دیکھتے ہیں کہ اس نام کی مالکیت اور محبوبیت اور ذرا سے سامان نخوت پر مکان مکان اور دُکان دُکان اپنے مطیعوں سے کہتے نہیں پھرتے کہ یہ بات ہماری موافق مرضی ہے اس کی تعمیل کرنی چاہیئے اور یہ بات خلاف مرضی ہے اس سے احتراز لازم ہے۔ بلکہ مقربانِ درگاہ اُن کے ارشادات اور اشارات کے موافق اَوروں کو مطلع کردیا کرتے ہیں اور حسب ضرورت اشتہار و منادی کرادیتے ہیں۔ اس صورت میں خداوند عالم کو اس سامان بے نیازی پر کہ وہ کسی کا کسی بات میں محتاج نہیں اور سوا اُس کے سب اُس کی سب باتوں میں محتاج کب سزاوار ہے کہ ہر کسی سے کہتا پھرے کہ اس کام کو کرنا چاہیئے اور اس کام کو نہ کرنا چاہئے۔ وہ بھی اپنے مقربان خاص کے ذریعہ سے اَوروں کو اپنی رضا و غیر رضا سے مطلع کرے گا ہم اُنہیں مقربوں کو جو خداوند عالم کے ارشادات کی اطلاع اَوروں کو کرتے ہیں پیغمبر اور نبی اور رسول کہتے ہیں۔ وجہ تسمیہ خود ظاہر ہے۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ کوئی کسی کا مقرب جبھی ہوسکتا ہے جبکہ اُس کی موافق مرضی ہو جو لوگ مخالف مزاج ہوتے ہیں قرب منزلت اُنکو نہیں آسکتا چنانچہ ظاہر ہے مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص یوسف ثانی اور حسن میں لاثانی ہو تو اُس کی ایک آنکھ مثلاً کانی ہو تو اس ایک آنکھ کا نقصان تمام چہرہ کو بدنما اور نازیبا کردیتا ہے۔

ضرورت نبوت

ثبوت معصومیت انبیاء علیہم السلام

ایسے ہی اگر ایک بات بھی کسی میں دوسروں کے مخالف مزاج ہو تو اُن کی اور خوبیاں بھی ہوئی نہ ہوئی برابر ہو جائیں گی ۔ غرض ایک عیب بھی کسی میں ہوتا ہے تو پھر محبوبیت اور موافقت طبیعت و رضا متصوّر نہیں جو امید تقرب ہو اس لئے یہ بھی ضرور ہے کہ انبیاء اور مرسل سراپا اطاعت ہوں اور ایک بات بھی اُن میں خلاف مرضی خداوندی نہ ہو اسی وجہ سے ہم انبیاء کو معصوم کہتے ہیں ۔ اور اس کہنے سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ اُن میں گناہ خداوند عالم کا مادّہ اور سامان ہی نہیں ۔ کیونکہ اُن میں جب کوئی صفت بُری ہی نہیں تو پھر اُن سے بُرے افعال کا صادر ہونا بھی ممکن نہیں ۔ اس لئے کہ افعال اختیاری تابع صفات ہوتے ہیں ۔ اگر سخاوت ہوتی ہے تو داد و دہش کی نوبت آتی ہے ۔ اور اگر بخل ہوتا ہے تو کوڑی کوڑی جمع کی جاتی ہے ۔ شجاعت میں معرکہ آرائی اور بزدلی میں پس پائی ظہور میں آتی ہے ہاں یہ بات ممکن ہے کہ بوجہ سہو یا غلط فہمی جو گاہ بگاہ بڑے بڑے عاقلوں کو بھی پیش آجاتی ہے اور سوائے خداوند علیم و خبیر اور کوئی اُس سے منزہ نہیں کسی مخالف مرضی کام کو موافق مرضی اور موافق مرضی کو مخالف مرضی سمجھ جائیں اور اسی وجہ سے بظاہر خلاف مرضی کام ہو جائے تو ہو جائے یا بوجہ عظمت[1] و محبت مطاع ہی مخالفت کی نوبت آجائے مگر اس کو گناہ نہیں کہتے ۔ گناہ کے لئے یہ ضرور ہے کہ عمداً مخالفت کی جائے ۔ بھول چوک کو لغزش کہتے ہیں گناہ نہیں کہتے ۔ یہی وجہ ہے کہ موقع عذر میں یہ کہا کرتے ہیں کہ میں بھول گیا تھا یا میں سمجھا نہ تھا ۔ اگر بھول چوک بھی گناہ ہی گرتا تو یہ عذر اور اُلٹا اقرار خطا ہوا کرتا ۔ عذر نہ ہوا کرتا ۔ جب یہ بات واضح ہو گئی کہ افعال تابع صفات ہیں تو اب دو باتیں قابل لحاظ باقی رہیں ایک اخلاق یعنی صفات اصلیہ دوسرے عقل و فہم ۔ اخلاق کی ضرورت تو یہیں سے ظاہر ہے کہ افعال جن کا کرنا نہ کرنا عبادت اور اطاعت اور فرمانبرداری

---

[1] مثلاً اپنا مخدوم اپنے برابر بٹھلائے اور یہ بوجہ ادب برابر نہ بیٹھے ۱۲ منہ

میں مطلوب ہوتا ہے اُن کا بھلا بُرا ہونا اخلاق کی بھلائی بُرائی پر موقوف ہے۔ اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ اصل میں بھلی اور بُری اخلاق وصفات ہی ہوتی ہیں اور عقل وفہم کی ضرورت اس لیے ہے کہ اخلاق کے مرتبے میں موقع بیموقع دریافت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ افعال میں بوجہ بے موقع ہوجانے کے کوئی خرابی اوپر سے نہ آجائے۔ دیکھیے سخاوت اچھی چیز ہے لیکن موقع میں صرف ہونا پھر بھی شرط ہے۔ اگر مساکین اور مستحقین کو دیا جائے تو فبہا ورنہ رنڈیوں اور بھڑووں کا دینا یا شراب خواروں اور بھنگ نوشوں کو عطا کرنا کون نہیں جانتا کہ اور بُرائیوں کا سامان ہے۔ وجہ اس کی بجز اس کے اور کیا ہے کہ بیموقع صرف ہوا۔ بالجملہ افعال ہر چند تابع صفات ہیں لیکن موقع اور بیموقع کا پہچاننا بجز عقل سلیم وفہم مستقیم ہرگز متصور نہیں اس لیے ضرور ہے کہ انبیاء میں عقل کامل اور اخلاق حمیدہ ہوں۔ ظاہر ہے کہ جب اخلاق حمیدہ ہونگے تو محبت بھی ضرور ہوگی کیونکہ خلق حسن کی بنا محبت ہی پر ہے۔ اور جب موقع اور محل کا لحاظ ہے اور عقل کامل موجود ہے تو پھر خدا سے بڑھ کر اور کونسا موقع سزاوار محبت ہوگا مگر خدا کے ساتھ محبت ہوگی تو پھر عزم اطاعت و فرمانبرداری بھی ضرور ہوگا جس کا انجام یہی نکلیگا کہ ارادہ نافرمانی کی گنجایش ہی نہیں اور ظاہر ہے کہ اسی کو معصومیت کہتے ہیں۔ اب یہ گذارش ہے کہ مدار کار نبوت عقل کامل اور اخلاق حمیدہ پہ ہے۔ رہے معجزات وہ خود نبوت پر موقوف ہیں نبوت اُن پر موقوف نہیں یعنی یہ نہیں کہ جس میں معجزات نظر آئیں اُس کو نبوت عطا کریں ورنہ خیر بلکہ جس میں نبوت ہوتی ہے اُس کو معجزات عنایت کرتے ہیں۔ تاکہ عوام کو بھی اُس کی نبوت کا یقین ہوجائے اور نبی کے حق میں اس کے معجزے بمنزلہ سند ودستاویز ہوجائیں اس لیئے اہل عقل کے نزدیک اوّل عقل کامل اور اخلاق حمیدہ ہی کا تجسس چاہیئے مگر عقل اور اخلاق میں دیکھا تو حضرت محمد رسول اللہ

ثبوت معصومیت انبیاء علیہم السلام

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب میں افضل و اعلیٰ پایا عقل و فہم میں اولیت و افضلیت کے لئے تو اِس سے زیادہ اور کیا دلیل ہوگی کہ آپ بذات خود اُمی اَن پڑھے ۔جس ملک میں پیدا ہوئے اور جہاں ہوش سنبھالا بلکہ ساری عمر گذری علوم سے یک لخت خالی نہ علوم دینی کا پتہ نہ علوم دنیوی کا نشان نہ کوئی کتاب آسمانی نہ کوئی کتاب زمینی بباعث جہل کیا کیا کچھ خرابیاں نہ تھیں۔ اب کوئی صاحب فرمائیں کہ ایسا شخص اُمی اَن پڑھا ایسے ملک میں اول سے آخر تک عمر گذارے جہاں علوم کا نام و نشان نہ ہو پھر اُسپر ایسا دین اور ایسا آئین ۔ ایسی کتاب لاجواب اور ایسی ہدایات بینات ایک عالم کو جس پر مُلک عرب کے جاہلوں کو الٰہیات یعنی علوم ذات و صفات خداوندی میں جو تمام علوم سے مشکل ہے اور علم عبادات اور علم اخلاق اور علم سیاسات اور علم معاملات اور علم معاش و معاد میں رشک ارسطو و افلاطون بنادیا جس کے باعث تہذیب عرب رشک شائستگی حکمار عالم ہوگئے چنانچہ اُن کے کمال علمی پر آج اہل اسلام کے کتب مطولہ جو خارج از تعداد ہیں شاہد ہیں ایسے علوم کوئی بتلائے تو سہی کس قوم اور کس فریق میں ہیں جس کے فیض یافتہ اور تربیت یافتہ دونوں کا یہ حال ہے اُن کے اُستاد اوّل اور معلم اول یعنے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہوگا ۔ اور اخلاق کی یہ کیفیت کہ آپ کہیں کے بادشاہ نہ تھے بادشاہزادے نہ تھے امیر نہ تھے امیرزادے نہ تھے ۔ نہ تجارت کا سامان تھا نہ کھیتی کا بڑا اسباب تھا ۔ نہ میراث میں کوئی چیز ہاتھ آئی ۔ نہ بذات خود کوئی دولت کمائی ۔ ایسے افلاس میں ملک عرب کے گردن کشوں خاکشوں برابر کے بھائیوں کو ایسا مسخر کرلیا کہ جہاں آپ کا پسینہ گرے وہاں اپنا خون بہانے کو تیار ہوں پھر یہ بھی نہیں کہ ایک دو روز کا ولولہ تھا آیا نکل گیا ساری عمر اسی کیفیت سے گذار دے ۔ یہانتک کہ گھر چھوڑا باہر چھوڑا ۔ زن و فرزند چھوڑے ۔ مال و دولت چھوڑا ۔ آپ کی محبت میں سب پر خاک ڈال اپنوں سے آمادہ جنگ و پیکار ہوئے

کسی کو آپ مارا کسی کے ہاتھ سے آپ مارے گئے یہ تسخیر اخلاق نہ تھی تو اور کیا تھی - یہ زور شمشیر کس تنخواہ سے آپ نے حاصل کیا ایسے اخلاق کوئی بتلائے تو سہی حضرت آدمؑ میں تھے یا حضرت ابراہیم علیہ السلام میں تھے یا حضرت موسیٰؑ میں تھے یا حضرت عیسیٰؑ میں تھے جب عقل و اخلاق کی یہ کیفیت ہو اسپر زہد کی یہ حالت جو آیا وہی لٹایا نہ کھایا نہ پہنا نہ مکان بنایا تو پھر کون سا عاقل ہے کہدیگا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام وغیرہم تو نبی ہوں اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی نہ ہوں اُن کی نبوت میں کسیکو تامل ہو کہ نہ ہو پر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت میں اہل عقل و انصاف کو تامل کی گنجایش نہیں بلکہ بعد لحاظ کمالات علمی جو آپ کی ذات میں ہر عام وخاص کو ایسی طرح نظر آتے ہیں جیسے آفتاب میں نور - یہ بات واجب التسلیم ہے کہ آپ تمام انبیاء کے قافلۂ سالار اور سب رسولوں کے سردار اور سب میں افضل اور سب کے خاتم ہیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عالم میں جو کچھ ہے انبیا کے کمالات ہوں یا اولیاء کے سب عطاء خدا ہیں - چنانچہ مضامین مسطورۂ بالا سے یہ بات عیاں ہے مگر عالم خصوصاً بنی آدم میں کمالات مختلفہ موجود ہیں - کسی میں حسن و جمال ہے تو کسی میں فضل وکمال ہے - کسی میں زور و قدرت ہے تو کسی میں عقل و فراست ہے اس لئے خدا کے اور بندوں کی اس وقت ایسی مثال ہوگی جیسے فرض کیجئے کسی استاد جامع کمالات کے پاس مختلف فنون کے طالب آئیں اور ہر شخص جدے علم سے فیض یاب ہوکر اپنے اپنے کمالات دکھلائیں - مگر ظاہر ہے کہ اُس کے شاگردوں کے آثار سے یہ بات خود نمایاں ہو جائے گی کہ یہ شخص کون سے فن میں اُستاد مذکور کا شاگرد ہے اگر فیض منقول اُس شاگرد سے جاری ہے تو معلوم ہو جائے گا کہ فن منقول میں یہ شخص شاگرد اُستاد مذکور کا ہے اور اگر فیض معقول جاری ہے تو معلوم ہوگا کہ فن معقول میں اُستاد مذکور سے مستفید ہوا ہے بیماروں کا علاج کرتا ہے تو استفادہ طب کا

پتہ لگے گا اور شاعروں میں غزل خوانی کرتا ہے تو تحصیل کمال شاعری کا سراغ نکلے گا۔
الحاصل شاگردوں کے احوال خود بتلادیں گے کہ استاد کے کون سے کمال نے اسمیں
ظہور کیا ہے الحاصل جب بنی آدم خصوصاً انبیاء میں مختلف قسم کے حالات موجود ہوں۔
اور پھر سب کے سب خدا ہی کے عطا اور فیض ہوں تو بدلالت آثار و کاروبار انبیاء
یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ یہ نبی خدا تعالےٰ کی کون سی صفت سے مستفید ہے
اور وہ نبی کون سی خدا کی صفت سے مستفیض ہے یعنی گو ایک کے ساتھ اور سب
صفتیں بھی قلیل و کثیر آئیں پر اصل منبع فیض کوئی ایک ہی صفت ہوگی مگر بدلالت
معجزات انبیاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور صفت سے مستفید ہیں
اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور صفت سے مستفید ہیں۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
میں بدلالت احیاء موتےٰ و شفاء امراض مضمون جان بخشی کا پتہ لگتا ہے اور حضرت
موسیٰ علیہ السلام میں بدلالت اعجوبہ کاری عصائے موسوی کہ کبھی عصا تھا کبھی اژدہا
تھا یہ معلوم ہوتا ہے کہ صفت تبدیل و تقلیب کا سراغ نکلتا ہے۔ مگر حضرت محمد رسول
اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم میں بدلالت اعجاز قرآنی و کمالات علمی یہ معلوم ہوتا ہے کہ
آپ صفت علم سے مستفید ہیں اور درگاہ علمی میں باریاب ہیں۔ مگر سب جانتے ہیں کہ
علم وہ صفت ہے کہ تمام صفات اپنی کارگزاری میں اسکے محتاج ہیں پر علم اپنے کام
میں کسی صفت کا محتاج نہیں کون نہیں جانتا کہ ارادہ قدرت وغیرہ صفات بعلم
وادراک کسی کام کے نہیں۔ روٹی کھانے کا ارادہ کرتے ہیں اور پھر کھاتے ہیں تو
اول یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ روٹی ہے پتھر نہیں۔ اور پانی پینے کا ارادہ کرتے ہیں یا
پیتے ہیں تو یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ پانی ہے شراب نہیں۔ یہ علم نہیں تو اور کیا ہے مگر
روٹی کو روٹی سمجھنا اور پانی کو پانی سمجھنا ارادہ قدرت پر موقوف نہیں۔ اگر روٹی سامنے
آجائے یا پانی سامنے سے گذر جائے تو بے ارادہ و اختیار وہ روٹی اور یہ پانی معلوم

ہوگا۔ القصہ علم کو اپنے معلومات کے تعلق میں کسی صفت کی ضرورت نہیں مگر باقی تمام صفات کو اپنے تعلقات میں علم کی حاجت ہی۔ غرض جو صفات غیر سے متعلق ہوتے ہیں اُن سب میں علم اول ہی اور سب میں علم اول ہی اور سب پر افسر ہی اور علم سے اول اور کوئی صفت نہیں بلکہ علم ہی پر مراتب صفات متعلقہ بالغیر ختم ہوجاتے ہیں۔ اسلئے وہ نبی جو صفت العلم سے مستفید ہو اور بارگاہ علمی تک باریاب ہو تمام انبیاء سے مراتب میں زیادہ اور رتبہ میں اول اور سب کا سردار اور سب کا مخدوم مکرم ہوگا اور سب اُسکے تابع اور محتاج ہونگے۔ اُسپر مراتب کمالات ختم ہوجائینگے اسلئے وہ نبی خاتم الانبیاء بھی ضرور ہی ہوگا۔ وجہ اسکی یہ ہی کہ انبیاء بوجہ احکام رسانی مثل گورنر وغیرہ نواب خداوندی ہوتے ہیں اسلئے اُن کا حاکم ہونا ضرور ہی۔ چنانچہ ظاہر ہے اسلئے جیسے عہدہ ہائے ماتحت میں سب میں اوپر عہدہ گورنری یا وزارت ہے اور سوا اسکے اور سب عہدے اُسکے ماتحت ہوتے ہیں۔ اوروں کے احکام کو وہ توڑ سکتا ہے اُسکے احکام کو اور کوئی نہیں توڑ سکتا۔ وجہ اُسکی یہی ہوتی ہی کہ اسپر مراتب عہدہ جات ختم ہوجاتے ہیں ایسے ہی خاتم مراتب نبوت کے اوپر اور کوئی عہدہ یا مرتبہ ہوتا ہی نہیں جو ہوتا ہی اُسکے تحت ہوتا ہے اسلئے اُسکے احکام اوروں کے احکام کے ناسخ ہونگے۔ اوروں کے احکام اُسکے احکام کے ناسخ نہ ہونگے۔ اور اسلئے یہ ضرور ہی کہ وہ خاتم زمانی بھی ہو کیونکہ اوپر کے حاکم تک نوبت سب حکام ماتحت کے بعد میں آتی ہی اور اسلئے اُسکا حکم اخیر حکم ہوتا ہے۔ چنانچہ ظاہر ہی پارلیمنٹ تک مرافعہ کی نوبت سبھی کے بعد آتی ہی۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہی کہ کسی اور نبی نے دعوی خاتمیت نہ کیا کیا تو حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا۔ چنانچہ قرآن و حدیث میں یہ مضمون تصریح موجود ہے۔ سوا آپکے اور آپ سے پہلے اگر دعوی خاتمیت کرتے تو حضرت عیسیٰؑ کرتے۔ مگر دعوی خاتمیت تو درکنار اُنہوں نے یہ فرمایا کہ میرے بعد جہان کا سردار آنیوالا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپنے اپنی خاتمیت کا انکار کیا بلکہ خاتم کے آنیکی بشارت دی کیونکہ سب کا سردار خاتم الحکام ہوا کرتا ہے اور درصورت مخالفت رائے اُسکے احکام آخری احکام ہوا کرتے ہیں چنانچہ مرافعہ کرنیوالوں کو خود ہی معلوم ہی۔ جب افضلیت محمدی اور خاتمیت محمدی دونوں معلوم ہوگئیں تو اب یہ گذارش ہی کہ فقط افضلیت محمدی کمالات ہی میں واجب التسلیم نہیں بلکہ معجزات میں بھی افضلیت محمدی واجب الایمان ہی۔ اور کیوں نہ ہو معجزات خود آثار کمالات ہوتے ہیں اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مردے زندہ ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عصائے بیجان اژدہائے جاندار

تو کیا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل سے کبھی کا سوکھا کھجور کی لکڑی کا ستون زندہ ہو گیا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایک زمانہ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کے روز اپنی مسجد کے ایک ستون کیساتھ جو کھجور کا تھا پشت لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے ۔جب ممبر بنایا گیا تو آپ اُس ستون کو چھوڑ کر ممبر پر خطبہ پڑھنے تشریف لائے۔ اُس ستون میں سے رونے کی آواز آئی آپ ممبر سے اتر کر اُس ستون کے پاس تشریف لائے اور اپنے سینہ سے لگایا اور ہاتھ پھیرا۔ وہ ستون ایسی طرح چپکا ہوا جیسے روتا ہوا بچہ سِسکتا سِسکتا چپکا ہو جاتا ہے۔ اس واقعہ کو ہزاروں نے دیکھا جمعہ کا دن تھا اور پھر وہ زمانہ تھا جسمیں نماز سے زیادہ اور کسی چیز کا اہتمام ہی نہ تھا۔ خاصکر جمعہ کی نماز جسکے لئے اسقدر اہتمام شریعت میں کیا گیا ہے کہ اُس سے زیادہ اور کسی نماز کا اہتمام ہی نہیں۔ الغرض چھوٹے بڑے سب حاضر تھے ایک دو اُسوقت ہوتے تو احتمال دروغ یا وہم غلط فہمی تھا ایسے مجمع کثیر میں ایسا واقعہ عجیب پیش آیا کہ نہ احیا ر موتی کو جو اعجاز عیسوی تھا اُس سے کچھ نسبت اور نہ عصائے موسوی کے اژدہا بنجانے کو جو معجزہ موسوی تھا اُس سے کچھ مناسبت شرح اس معما کی یہ ہے کہ تن بیجان اور جسم مُردہ کو قبل موت تو روح سے علاقہ تھا ستون مذکور کو تو نہ کبھی روح سے تعلق تھا نہ حیات معروف سے مطلب نہ علاوہ بریں جسم انسان وحیوان گو منبع حیات نہ ہو مگر قابل اور جاذب حیات ہونے میں تو شک بھی نہیں۔ یہی وجہ ہوئی کہ روح علوی کو اس خاکدان سفلی میں آنا پڑا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایام حیات کی ملازمت طویلہ کے بعد روح کو بدن کے ساتھ انس ومحبت کا ہونا بھی ضرور ہے جس سے اوہر کی نگرانی اور معاودت کی آسانی ثابت ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں ستون مذکور میں مفقود ہیں علی ہذا القیاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے اگر عصا اژدہا بنگیا اور زندہ ہو کر اِدھر اُدھر دوڑا تو اُسکی حرکات وسکنات بعد انقلاب شکل وماہیت ظاہر ہوئی۔ اور ظاہر ہے کہ اُس شکل اور اُس ماہیت کو جو بعد انقلاب حاصل ہوئی حیات سے ایک مناسبت قوی ہے یعنی سانپوں اور اژدہاؤں کے افعال اور حرکات اور اُنکے وہ پیچ وتاب اور وہ کاٹنا اور نگل جانا اسی ماہیت اور اُسی شکل کے ساتھ مخصوص ہے اور زندوں سے بھی وہ کام نہیں ہو سکتے چہ جائیکہ نباتات یا جمادات سے۔ الغرض شکل مذکورہ اور ماہیت مشار الیہ میں روح کا آنا چنداں مستبعد اور بعید اور عجیب وغریب نہیں جتنا سوکھے ستون میں جو بالیقین بالفعل منجملہ جمادات تھا روح وحیات کا

آجانا محل استعجاب ہے۔ علاوہ بریں عصائے موسوی سے وہی کام ظہور میں آیا جو اور سانپوں اور اژدہاؤں سے ظہور میں آتا ہے۔ کوئی ایسا کام ظہور میں نہیں آیا جو ذوی العقول و بنی آدم سے ظہور میں آتے ہیں۔ چنانچہ ظاہر ہے۔ اور ستون خشک کا دردِ فراق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا موقوفی خطبہ سے جو اُسکے قریب پڑھا جایا کرتا تھا رونا اور چلّانا وہ بات ہے جو سوائے ذوی العقول بلکہ اُن میں سے بھی بجز افراد کاملہ اور کسی سے ظہور میں نہیں آسکتے۔ شرح اس معمّا کی یہ ہے کہ جیسے محبت جمالی کے لئے اوّل آنکھ کیضرورت ہے اور پھر قابلیت طبیعت کی حاجت جسکے سبب سے میلان خاطر اور توجہ دلی متصوّر ہو ایسے ہی محبت کمالی کے لئے اوّل عقل و فہم کیضرورت ہے اور پھر قابلیت مذکورہ کی حاجت۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں تنہا تنہا بھی اور بحیثیت مجموعی بھی بجز بنی آدم اور اُن میں سے بھی بجز کاملین عقل و طبیعت متصوّر نہیں۔ پھر اسپر طرہ یہ ہے کہ کاملان مذکور سے بھی جبھی متصوّر ہو کہ کمالات محبوب کے علم کی نوبت علم الیقین اور عین الیقین سے گزر جائے اور مرتبہ حق الیقین حاصل ہو جائے۔ کیونکہ قبل مرتبہ مذکورہ محبّت کا حاصل ہونا ایسا ہی دشوار بلکہ غیر ممکن ہی جیسے قبل ذائقہ شیرینی وغیرہ نعمار لذیذہ شیرینی کی رغبت غیر ممکن ہی۔ یہ کبھی سنا ہو گا کہ چکھنے سے پہلے فقط دیکھنے ہی کے سبب کسی غذا لذیذ و لطیف کیطرف رغبت حاصل ہو جائے۔ خواہ اُسوقت چکھنے کا اتفاق ہو جسوقت وہ غذا سامنے آئے یا اُس سے پیشتر اتفاق ہو چکا ہو خواہ بدلالت شکل و صورت یہ بات معلوم ہو جائے کہ اِس غذا میں وہ مزا ہے جو پیشتر نصیب ہو چکا ہی یا کسی کے بتلانے سے یہ معلوم ہو جائے کہ اِس غذا میں وہ مزا ہے جو پہلے اُڑا چکے ہیں بہر حال قبل ذائقہ جیسی رغبت و محبت اغذیہ متصوّر ہی ہے اور کیوں نہ ہو وجہ محبّت کوئی خوبی اور صفت ہی ہوتی ہی یہی وجہ ہی کہ نکمّی چیزیں کسیکو مرغوب نہیں ہوتیں اور اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ جمالی محبت میں فقط مرتبہ عین الیقین کافی ہی معیدار خوبرو ماں جو مرتبہ عین الیقین ہے محبت کیلئے کافی ہی کسی اور مرتبہ کیضرورت نہیں۔ چنانچہ ظاہر ہی تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہی حصول حق الیقین کیلئے اس حاسہ کے سوا جو سامان عین الیقین ہوتا ہے کسی اور حاسہ کیضرورت ہوتی ہی جیسے غذاؤں میں ہوتا ہو کہ عین الیقین تو بذریعہ چشم میسر آتا ہے اور حق الیقین بوسیلہ زبان حاصل ہوتا ہے۔ اور کبھی حصول حق الیقین کیلئے حواس ظاہرہ میں سے سوائے اُس حاسہ کے جو آلۂ عین الیقین ہوتا ہے اور کسی حاسہ کیضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ دونوں مرتبے اُسی ایک حاسہ سے متعلق ہوتے ہیں۔ یا کوئی حاسہ

باطنی آلہ حق الیقین ہوجاتا ہے۔ سو محبت جمالی میں یہ قصہ ہے کہ جو آلہ عین الیقین ہے وہی آلہ حق الیقین ہے۔
تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ غذاؤں کی محبت بوجہ صورت نہیں ہوتی بوجہ ذائقہ ہوتی ہے اور جمال کی محبت
بوجہ صورت ہی ہوتی ہے کسی اور وجہ سے نہیں ہوتی اسلئے جمال میں عین الیقین اور حق الیقین ایک ہی حاسہ سے
متعلق ہوتی ہیں اور غذاؤں وغیرہ میں مرتبہ عین الیقین آنکھوں سے متعلق ہے تو مرتبہ عین الیقین زبان سے متعلق ہے
کیونکہ عین الیقین اسکو کہتے ہیں کہ خبر سے مشاہدہ ہوجائے۔ اگر نوبت مشاہدہ نہیں آئی بلکہ ہنوز خبر
ہی خبر ہے تو بشرط یقین وہ علم خبری علم الیقین سمجھا جائیگا۔ اور اگر مشاہدہ سے بڑھ کر یہ نوبت بھی
آجائے کہ اُس شے کو استعمال میں لائے اور اُس کے منافع سے منتفع ہو پھر یہ علم مرتبہ حق الیقین کو
پہنچ جائیگا۔ الحاصل مرتبہ حق الیقین کا مرتبہ عین الیقین کے ساتھ ساتھ ہونا بعض بعض مواقع میں
موجب اشتباہ ہوجاتا ہے۔ اور یہ گمان ہوتا ہے کہ مرتبہ عین الیقین ہی میں محبت اور رغبت پیدا ہوجاتی
ہے۔ جب یہ بات ذہن نشین ہوچکی تو اب سُنیئے کہ جب پیدائش محبت مرتبہ حق الیقین سے متعلق ہوئی تو بالضرور
اس بات کا اقرار لازم ہوا کہ ستون مذکور کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات کا علم درجہ حق الیقین
کو پہونچگیا تھا اور ظاہر ہے کہ جیسے یقین میں اس مرتبہ سے بڑھ کر اور کوئی مرتبہ نہیں ایسے ہی
کمالات روحانی کی نسبت اس مرتبہ کا حاصل ہونا ہر کسی کو میسر نہیں آتا۔ کیونکہ رُوح اور کمالات
روحانی ایسے مخفی ہیں کہ بجز ارباب بصیرت و مکاشفہ اور کسی کو اس کا حصول متصور نہیں۔
مگر ظاہر ہے کہ ارباب بصیرت و اصحاب مکاشفہ ہونا ایسا کمال ہے جس کے کمال ہونے میں بجز
احمق اور کسی کو شک نہیں ہوسکتا۔ الغرض عصائے موسوی اگر اژدہا بن گیا اور اژدہا بنکر چلا
دوڑا تو یہ وہ کام ہے کہ جتنے سانپ ہیں سبھی یہ کام کرتے ہیں۔ کچھ سانپوں کے مرتبے سے بڑھ کر
کوئی کام نہیں۔ اور ستون محمدی اگر فراق محمدی میں رویا تو اُسکا رونا محبت کمالات محمدی پر دلالت
کرتا ہے جو بجز مرتبہ حق الیقین متصور نہیں جو بہ نسبت کمالات روحانی بجز ارباب کمال یعنے
اصحاب بصیرت و مکاشفہ اور کسی کو میسر نہیں آسکتا۔ اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں معجزہ
موسوی کو معجزہ احمدی کے سامنے کچھ نسبت باقی نہیں رہتی۔ اور سُنیئے اگر حضرت موسیٰ
علیہ السلام کے ہاں پتھر سے پانی نکلتا تھا تو حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی انگشتان مبارک سے پانی کے چشمے جاری ہوئے تھے اور ظاہر ہے کہ زمین پر رکھے

ہوئے پتھر سے پانی کے چشمے کا بہنا اتنا عجیب نہیں جتنا گوشت و پوست سے پانی کا نکلنا عجیب ہے۔ کون نہیں جانتا کہ جتنی ندیاں اور نالے ہیں سب پہاڑوں اور پتھروں اور زمین ہی سے نکلتے ہیں۔ پر کسی کے گوشت و پوست سے کسی نے ایک قطرہ بھی نکلتا نہیں دیکھا علاوہ بریں ایک پیالی پانی پر دست مبارک کے رکھ دینے سے انگشتان مبارک سے پانی کا نکلنا صاف اسبات پر دلالت کرتا ہے کہ دست مبارک منبع البرکات ہے اور یہ سب جسم مبارک کی کرامات ہے۔ اور سنگ موسوی عـــہ سے زمین پر رکھ دینے کے بعد پانی کا نکلنا اگر دلالت کرتا ہے تو اتنی ہی بات پر دلالت کرتا ہے کہ خداوند عالم بڑا قادر ہے اور سنیئے اگر باعجاز حضرت یوشع علیہ السلام آفتاب دیر تک ایک جا ٹھیرا رہا یا کسی اور نبی کے لئے بعد غروب آفتاب لوٹ آیا تو اُسکا ماحصل بجز اسکے اور کیا ہوا کہ بجائے حرکت سکون عارض ہوگیا یا بجائے حرکت روزمرّہ حرکت معکوس وقوع میں آئی اور ظاہر ہے کہ یہ بات اتنی دشوار نہیں جتنی یہ بات دشوار ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ کیونکہ پھٹ جانا تو ہر جسم کے حق میں خلاف طبیعت ہے اور سکون کسی جسم کے حق میں بحیثیت جسمی خلاف طبیعت نہیں بلکہ حرکت ہی خلاف طبیعت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جیسے اجسام کے پھٹ جانے کے لئے اور اسباب کی حاجت ہوتی ہے ایسے ہی حرکت کے لئے بھی اور اسباب کی ضرورت پڑتی ہے اور سکون کے لئے کسی اور سبب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان تمام وقائع اور مضامین کے استماع کے بعد شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ معجزات مرقومہ بالا کا جو منجملہ معجزات محمدی صلعم مذکور ہوئے کیا ثبوت ہے۔ اور ہم کو کاہے سے

عـــہ سنگ موسوی میں سے زمین پر رکھ دینے کے بعد بضرب عصا موسوی بارہ چشمے جاری ہو جاتے تھے اس سے اگر نکلتی ہے تو تاثیر سنگ مذکور نکلتی ہے یا تاثیر عصائے مشارٌالیہ مگر تاثیر سنگ مذکور اگر ہوگی تو یہی ہوگی کہ زمین سے پانی کو ایسی طرح جذب کر لیا جیسے مقناطیس لوہے کو جذب کیا کرتا ہے۔ اور تاثیر عصائے مذکور اگر ہوگی تو یہ ہوگی کہ ضرب عصا کے صدمہ سے پتھر کے مسامات ایسی طرح کھل گئے جیسے پستان کے دبانے سے اُسکا مُنہ کھل جاتا ہے اور دودھ نکل آتا ہے ۱۲ منہ

معلوم ہو کہ یہ یہ معجزات ظہور میں آئے ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ ہم کو کاہے سے معلوم ہو کہ
اور انبیا ر اور اوتاروں سے وہ معجزات اور کرشمے ظہور میں آئے ہیں جو اُن کے معتقد بیان
کرتے ہیں - اگر توریت وانجیل کے بھروسے اُن معجزات اور کرشموں پر ایمان ہے تو قرآن و
حدیث محمدی صلعم کے اعتماد پر معجزات محمدی پر ایمان لانا واجب ہے - کیونکہ توریت و انجیل
کی کسی کے پاس آج کوئی سند موجود نہیں - یہ بھی معلوم نہیں کہ کس زمانے میں یہ کتابیں لکھی
گئیں اور کون کون اور کسقدر ان کتابوں کے راوی ہیں - اور قرآن وحدیث کی سند اور اسناد
کا یہ حال کہ یہاں سے لیکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تک راویوں کی تعداد معلوم -
نسب اور سکونت معلوم - نام اور احوال معلوم - پھر تماشا ہے کہ توریت وانجیل تو معتبر ہو جائیں
اور قرآن وحدیث کا اعتبار نہ ہو اس سے بڑھ کر اور کیا ستم اور کون سی ناانصافی ہوگی -
اگر توریت وانجیل وغیرہ کتب مذاہب دیگر لایق اعتبار ہیں تو قرآن وحدیث کا اعتبار سب سے
پہلے لازم ہے - اب یہ گذارش ہے کہ ہما - ا یہ دعوی نہیں کہ اَور مذاہب اور دین بالکل
ساختہ اور پرداختہ بنی آدم ہیں بطور جعلسازی ایک دین بناکر خدا کے نام لگا دیا - نہیں
دو مذہبوں کو تو ہم یقیناً دین آسمانی سمجھتے ہیں - ایک دین یہود اور دوسرے دین نصارے
ہاں اتنی بات ہے کہ بوجہ تحریف بنی آدم کے رائے کی آمیزش بھی ان دونوں دینوں میں
ہوگئی ہے - باقی رہا دین ہنود اُس کی نسبت اگرچہ ہم یقیناً نہیں کہہ سکتے کہ اصل سے یہ
دین بھی آسمانی ہے مگر یقیناً یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ دین اصل سے جعلی ہے خدا کیطرف
سے نہیں آیا - کیونکہ اوّل تو قرآن شریف میں ارشاد ہے وان من امۃ الا خلا فیھا
نذیر - جسکے یہ معنی ہیں کہ کوئی اُمت یعنی گروہ عظیم ایسی نہیں جسمیں کوئی ڈرانیوالا نہ گذرا ہو
پھر کیونکر کہدیجے کہ اس ولایت ہندوستان میں جو ایک عریض وطویل ولایت ہے
کوئی ہادی نہ پہنچا ہو - کیا عجب ہے کہ جسکو ہندو صاحب اوتار کہتے ہیں اپنے زمانے کے
نبی یا ولی یعنی نائب نبی ہوں - دوسرے قرآن شریف میں یہ بھی ارشاد ہے منھم من

قصصنا علیك ومنھم من لم نقصص علیك جس کا حاصل یہ ہے کہ بعض انبیاء کا
قصہ تو ہم نے تجھ سے بیان کردیا ہے اور بعضوں کا قصہ بیان نہیں کیا۔ سو کیا عجب ہے،
کہ انبیاء ہندوستان بھی اُنہیں نبیوں میں سے ہوں جنکا تذکرہ آپ سے نہیں کیا گیا
رہی یہ بات کہ اگر ہندوؤں کے اوتار انبیاء یا اولیا ہوتے تو دعویٰ خدائی نہ کرتے۔ادھر
افعال ناشائستہ مثل زنا۔چوری وغیرہ ان سے سرزد نہ ہوتے۔ حالانکہ اوتاروں کے
معتقد یعنی ہندو اِن دونوں باتوں کے معتقد ہیں جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ
یہ دونوں باتیں بیشک اُن سے سرزد ہوئی ہیں۔ سو اِس شبہ کا جواب یہ ہوسکتا ہے
کہ جیسے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی طرف دعویٰ خدائی نصاریٰ نے منسوب کردیا ہے
اور دلائل عقلی ونقلی اُس کے مخالف ہیں۔ ایسے ہی کیا عجب ہو کہ سری کرشن اور سری
رامچندر جی کی طرف بھی یہ دعویٰ بدروغ منسوب کردیا ہو جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام
بدلالت آیات قرآنی اور نیز بدلالت آیاتِ انجیل اپنے بندہ ہونے کے مقر اور معترف تھے
اور پھر وہی کام مدت العمر میں کیا کئے جو بندگی کو سزاوار ہیں۔ دعویٰ خدائی پر نہیں
پھبتے۔ یعنی نماز روزہ ادا کیا کیے۔ زبان سے عجز ونیاز کرتے رہے۔ جب کہا اپنے آپکو
ابن آدم کہا اور بندہ قرار دیا۔ پھر اُسپر اُنکے ذمے تہمت دعویٰ خدائی لگادی گئی ایسے
ہی کیا عجب ہے کہ سری کرشن اور سری رامچندر کی نسبت تہمت خدائی لگادی ہو
علےٰ ہذا القیاس جیسے حضرت لوط اور حضرت داؤد علیہم السلام کی نسبت باوجود اعتقاد
نبوت یہود ونصاریٰ تہمت شراب خواری اور زناکاری لگاتے ہیں اور ہم اُن کو ان عیوب سے
بری سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی کیا عجب ہے کہ سری کرشن اور سری رامچندر بھی عیوب مذکورہ سے
مبرّا ہوں۔ اَوروں نے اُن کے ذمے یہ تہمت زنا وسرقہ لگادی ہو۔ الحاصل ہمارا
یہ دعویٰ نہیں کہ اَور ادیان اور اَور مذاہب اصل سے غلط ہیں دین آسمانی نہیں
بلکہ ہمارا یہ دعوےٰ ہے کہ اِس زمانے میں سوائے اتباع محمدی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور کسی[1] طرح نجات متصور نہیں اِن زمانے میں یہ دین سب کے حق میں واجب الاتباع ہے
باقی رہا یہ شبہ کہ اس صورت میں اور دین منسوخ ٹھیرینگے اور یہ وہم پیدا ہوگا کہ پہلے احکام
میں خدا تعالےٰ سے کچھ غلطی ہوئی ہوگی جس کے تدارک اور اصلاح کے لئے یہ حکم بدلا گیا
اس کا جواب یہ ہے کہ نسخ ایک لفظ عربی ہے اِس لفظ کے معنی ہم سے پوچھنے چاہئیں
نسخ فقط تبدیل احکام کو عربی زبان میں کہتے ہیں مگر حکام دنیا چونکہ اپنے احکام جبھی بدلتے
ہیں جبکہ پہلے حکم میں کچھ نقصان معلوم ہوتا ہے اس لئے نسخ کے لفظ کو سُنکر یہ شبہ
پیدا ہوتا ہے ورنہ نسخ محض تبدیل احکام کو کہتے ہیں۔ اور صورت تبدیل احکام خداوندی
یہ ہوتی ہے کہ جیسے منضج و مسہل اپنے اپنے وقت میں مناسب ہوتے ہیں اور اس لئے
بعد اختتام میعاد منضج بجائے نسخہ منضج نسخہ مسہل بدلا جاتا ہے اور اِس تبدیلی کو بوجہ
غلطی نسخہ منضج کوئی نہیں سمجھتا۔ ایسے ہی دین موسوی اور دین عیسوی اپنے اپنے زمانہ میں
مناسب تھے اور اس زمانہ میں یہی مناسب ہے کہ اتباع دین محمدی کیا جائے کیونکہ
اور دینوں کی میعادیں ختم ہوگئیں اب اسی دین محمدی کا وقت ہے۔ عذاب آخرت
اور غضب خداوندی سے نجات اس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے
اتباع میں منحصر ہے جیسے اس زمانہ میں گورنر زمانہ سابق لارڈ نارتھ برک کے احکام
کی تعمیل کافی نہیں بلکہ گورنر زمانہ حال لارڈ لٹن کے احکام کی تعمیل کی ضرورت ہے
ایسے ہی اِس زمانہ میں اتباع ادیانِ سابقہ کافی نہیں بلکہ دین محمدی کا اتباع ضروری
ہے سزائے سرکاری سے نجات اور رستگاری جبھی متصوّر ہے جبکہ زمانہ حال
کے گورنر کا اتباع کیا جائے۔ اگر کوئی نادان یوں کہے کہ گورنر سابق بھی تو ملکہ ہی کا نائب

---

[1] وجہ انحصار نجات یہی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیا کے سردار اور سب سے افضل ہیں چنانچہ اس سے پہلے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے اور ظاہر ہے کہ حاکم بالادست کے ہوتے حکام ماتحت کی طاعت درصورت مخالفت احکام حکام بالا دست و احکام حکام ماتحت اپنے ذمہ نہیں رہتی ۱۲ منہ

تو اس غدر کو کوئی نہیں سُنتا۔ ایسے ہی یہ غدر کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت
موسیٰ علیہ السلام بھی تو رسولِ خدا تھے اس وقت قابلِ استماع نہیں بلکہ جیسے اس وقت
اگر گورنر سابق بھی موجود ہو تو لارڈ لٹن ہی کا اتباع کیسے جو گورنر زمانہ حال ہے ایسے
ہی اس زمانہ میں اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام بھی موجود ہوتے
تو اُن کو چار نا چار رسول عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا اتباع کرنا پڑتا۔ اور اگر کوئی
شخص اپنے خیال کے موافق بوجہ غلطی کوئی عیب ہمارے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے ذمہ لگائے بھی تو ہم ہزار عیب اُن کے بزرگوں میں نکال سکتے ہیں۔ یہی تقریر
ہو رہی تھی جو پادری صاحب نے فرمایا کہ گھنٹہ پورا ہو گیا۔ خیر مولوی صاحب تو بیٹھے
اور عیسائیوں کیطرف سے پادری محی الدین پشاوری اُٹھے اور مولوی صاحب کی
تقریر پر چار اعتراض کئے جنکے دیکھنے کے بعد اہل فہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ جیسے
ہنود کیطرف سے مولوی صاحب کی تقریر کے۔ وہیں آخر جلسہ تک کوئی صدا نہ اٹھی
پادری صاحبوں نے بھی گویا مطالب ضروری کو اس تقریر کے تسلیم ہی کر لیا۔ کیونکہ
مطالب اصلی اور ضروری تو اس تقریر میں کل آٹھ باتیں تھیں۔ خدا تعالیٰ کا ثبوت
اُس کی وحدانیت۔ اُس کا واجب الاطاعت ہونا۔ نبوت کی ضرورت۔ نبوت کے
علامات اور صفات۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت۔ اُن کی خاتمیت
اُن کے ظہور کے بعد انہیں کے اتباع میں نجات کا منحصر ہو جانا۔ ان آٹھوں باتوں
میں سے تو ایک بات پر بھی پادریوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ہاں پادری محی الدین
مذکور نے مضامین تحفہ اور زائدہ پر البتہ اعتراض کر کے انجام کار خود نادم ہوئے اور
پادری صاحبوں کو نادم کرایا۔ وہ چار اعتراض یہ ہیں۔ ایک تو انبیاء کی معصومیت پر یہ اعتراض

سلہ معصومیت پر اعتراض مذکور ہو معلوم پادری صاحبوں کو کیا نفع تھا انبیا کو وہ خود تسلیم کرتے ہیں اور انکے اتباع کو اپنے ذمے
واجب سمجھتے ہیں۔ جب با وجود اعتقاد گنہگاری انبیاء انکا اتباع واجب ہے تو در صورت معصومیت انکے سیادت میں کیا فرق آ سکتا ہے

کہ حضرت آدم علیہ السلام نے باوجود ممانعت خداوندی گیہوں کھالیا اور مخالفت خداوندی کی۔ اور ظاہر ہے کہ اس مخالفت ہی کو گناہ کہتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس حضرت داؤد کی نسبت زنِ اوریا کے ساتھ نعوذ باللہ زنا کا الزام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی نسبت بُت پرستی کی تہمت لگا کر یہ کہا کہ زنا اور بُت پرستی دونوں گناہ ہیں۔ اور ادھر یہ دونوں نبی ہیں سو باوجود ایسے ایسے بڑے بڑے گناہوں کے صدور کے اُن کو معصوم کہنا سراسر غلط ہے اور پھر اُس پر یہ کہا کہ یہ قصّے کلام اللہ میں مذکور ہیں۔ یہ اعتراض تو وہ ہے جس کی مدافعت خود اثنا ر تقریر میں مولوی صاحب کر چکے تھے۔ مگر با ایں ہمہ عوام کے دکھلانے کو پادری صاحب اپنا کام کر گزرے۔ دوسرے مضمون آیت وَ اِن مِن اُمّۃٍ اِلّا خلا فیھا نذیر پر جس کا ترجمہ یہ ہے کوئی اُمت یعنی گروہ اعظم ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا خدا کی طرف سے نہ گذرا ہو یہ اعتراض کیا کہ تم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہر گروہ میں نبی کے آنے کی ضرورت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیشتر ملک عرب میں کون سا پیغمبر تھا اور اُس کے ساتھ پادری صاحب کو یہ اشارہ کرنا بھی منظور تھا کہ جب قبل بعثت محمدی کوئی پیغمبر ملک عرب میں نہ نکلا تو پھر چالیس برس کی عمر تک جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا آغاز اور اول زمانہ تھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے افعال میں مخالف دین خداوندی ہونا لازم آئیگا جس سے معصومیت انبیاء میں صاف رخنہ پڑ جائے گا۔[1]

[1] قرین قیاس و عقل اتنی ہی بات ہے کہ خداوند عالم اپنے بندوں کو اپنی مرضی غیر مرضی سے کسی اپنے مقرب خاص کی معرفت اطلاع کرا دے اور بعد اطلاع اُس کی یادگاری اور حفاظت بندوں کے ذمہ ہو ہاں بعد ضائع ہو جانے اور گم ہو جانے اُن حکمناموں کے جو خدا کی طرف سے کسی کے مقربان خاص کی معرفت یعنی انبیاء یا اُنکے نائبوں کے ذریعہ سے پہنچی تھی۔ جو لوگ پیدا ہونگے وہ اِس جرم میں ماخوذ ہونگے کہ وہ حکم نامے کیوں کھو دیئے گئے اور نہ اس جرم میں ماخوذ ہونگے کہ اُن کے موافق عمل کیوں نہ کیا بلکہ اُس زمانہ میں منتظر رہنا تھا اول خدا کی طرف سے پھر اس لطف کی امیدگی کہ وہ پھر کسی خاص بندہ کو اپنے احکام دیکر بھیجے

(باقی برصفحہ ۳۵)

تیسرا یہ اعتراض کہ معجزات محمدی کا ثبوت آپ کو قرآن سے دینا تھا قرآن سے آپ نے ثبوت نہیں دیا۔ چوتھا اعتراض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت پر یہ تھا کہ مسلمانوں کے ہاں درود اسطرح پر ہے۔ اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد کما صلیت علی سیدنا ابراہیم وعلی آل سیدنا ابراہیم انک حمید مجید۔ اس درود میں لفظ کما صلیت جو تشبیہ پر دلالت کرتا ہے خود اس جانب مشیر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام

(بقیہ صفحہ ۳۴) چنانچہ یہی وجہ ہوئی کہ رسول اللہ صلعم مبعوث ہوئے اسلئے کہ وہ زمانہ بھی ایسا ہی تھا چنانچہ واقفان اہل انصاف کو خوب معلوم ہے کہ جس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے اس زمانہ میں کوئی دین آسمانی بجنسہ محفوظ نہ تھا۔ نہ دین ابراہیمی نہ دین موسوی نہ دین عیسوی اصول سب کے خراب ہوگئے تھے بلکہ بعض دینوں میں تو جیسے دین براہیمی والے ایک دو ایسے حکموں کے جنکو قطع نظر ارشاد انبیا بھی اہل عقل بلکہ تمام عالم تسلیم کرتا ہے جیسے ظلم کی برائی احسان کی بھلائی مثلاً اور کوئی حکم بجنسہ محفوظ ومعلوم نہ تھا پھر اسکے ساتھ اصول دین میں یہ خلل پھیل گیا تھا کہ بجائے توحید شرک تھا خدا کی طرح اوروں کو عالم الغیب جانتے تھے اپنا نفع نقصان اُن کے قبضہ قدرت میں سمجھتے تھے۔ قیامت کا انکار تھا۔ عذاب ثواب سے کچھ کار نہ تھا۔ ادہر دین عیسوی کی یہ حالت تھی کہ ایک اللہ کے بدلے تین خدا کا اعتقاد۔ اعتقاد کفارہ عیسوی کے بدولت شریعت اور احکام شریعت سے دست برداری اور سبکدوشی علیٰ ہذا القیاس دین موسوی کا بھی یہی حال تھا کہیں تو یہ اعتقاد تھا کہ حضرت عزیر خدا کے بیٹے تھے۔ کہیں اپنے آپ کو خدا کا دوست اور خدا کا فرزند سمجھتے تھے جسکے باعث خدا کے احکام کی تعمیل سے بالکل فارغ البال تھے۔ اسی قسم کے خیالات بیجا کے دفع کرنے کو حضرت عیسی علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا۔ اُن کو نبی چھوڑ یہ بھی نہ سمجھا کہ کوئی نیک ہی آدمی ہیں چنانچہ اسیوجہ سے اُن سے وہ سلوک کیا کہ سبھی جانتے ہیں الغرض کوئی دین قبل بعثت محمدی ایسا نہ بچا تھا جس میں ایجاد بندہ نہ ہوگیا ہو۔ اس لئے وہ زمانہ ایسا ہوگیا تھا جیسا وہ زمانہ تھا جس میں سب سے پہلے پیغمبر تشریف لائے ہونگے یعنی حق وباطل وموافق ومخالف مرضی خداوندی کے اصلا تمیز باقی نہ رہی تھی اور ظاہر ہے کہ ایسے وقت میں کوئی شخص بوجہ احکام لائق عذاب نہیں ہوسکتا کیونکہ عذاب اُسوقت مناسب ہے کہ کوئی شخص باوجود علم وامکان اطلاع خدا کے احکام کی تعمیل نہ کرے یہاں علم احکام وامکان اطلاع احکام کی کونسی صورت تھی اس لئے ایسے وقت میں اتنی بات کافی ہے کہ اپنی طرف سے ہردم بصدق دل اسپر آمادہ رہے کہ اگر کسی طرح کوئی حکم معلوم ہوجائے تو اُسکی تعمیل کروں اور پھر حسب ہدایت عقل جسقدر معلوم ہو اُسکا کاربند رہوں سو یہ بات بحمد للہ تعالی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبل بعثت حاصل تھی۔ شرک۔ زنا۔ چوری۔ قتل۔ شراب خواری۔ جھوٹ وغیرہ امور ملومہ منہیہ سے احتراز تھا اور غار حرا میں تنہا بیٹھ کر اپنے خدا سے راز ونیاز تھا اور ظاہر ہے کہ اسی لو اطاعت

(باقی صفحہ ۳۶)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہوں۔ کیونکہ تشبیہ میں مشبہ بہ مشبہ سے افضل ہوا کرتا ہے۔ یہ چار اعتراض کرکے اُنہوں نے اور پادری نولس صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ اعتراض تو اور بھی تھے مگر بوجہ طول تقریر یاد نہیں ہے مگر اِن چار اعتراضوں کے معائنہ سے ناظرین کو یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ اگر بالفرض والتقدیر پادری صاحب اپنے بیان میں سچے ہی ہوں یعنی اُن کے خیال میں اثنار تقریر میں کچھ اور بھی اعتراض آئے ہی ہوں مگر بوجہ طول تقریر یاد نہ رہے ہوں تو بھی یہ چار اعتراض تو اُن سب میں گل سرسبد اور اُن سب کا انتخاب ہی ہونگے جو یاد رہے پھر جب اُن کا یہ حال ہے کہ پادری صاحب بیان ہی نہ کرتے تو اچھا تھا نہ بیان کرتے تو نادم ہونا پڑتا تو اور اعتراض تو کس شمار میں ہیں۔ الغرض پادری صاحب تو بیٹھے اور مولوی صاحب کھڑے ہوئے اول تو یہ فرمایا کہ آپ اب تک گناہ کے معنی ہی نہ سمجھے۔ گناہ فقط مخالفت امر وارشاد ونہی ومنع ہی کو نہیں کہتے بلکہ یہ بھی ضرور ہے کہ وہ مخالفت عمداً ہو بوجہ نسیان وغلطی نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵) اور فرمانبرداری کہتے ہیں بلکہ اصل اطاعت یہی ہے اطلاع احکام سے غرض اصلی اسی آمادگی کا امتحان ہوتا ہے۔ القصہ اس صورت میں نہ یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ جب ملک عرب میں آپ سے پہلے ایک عرصہ سے کوئی نبی ہی نہ تھا اور احکام خداوندی کی تعمیل کی کوئی صورت ہی نہ تھی تو پھر بوجہ تعمیل آپ معصوم نہ رہے نعوذ باللہ منہا گناہگار نکلے۔ اور نہ یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ آپ سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی تھے آپنے اُن کا اتباع نہ کیا اسلئے نعوذ باللہ خدا کے نافرمان ٹھیرے کیونکہ عدم تعمیل اُس وقت مضر ہے جبکہ علم واطلاع بھی ہو اور کسی نبی کا اتباع اُسوقت ضروری ہے جبکہ اُس کی ہدایات محفوظ ومعلوم بھی ہوں۔ اور اگر بعد آیت عقل سلیم یہ معلوم ہوجاتے کہ اب اس دین کے اصول غلط ہوگئے جیسے تثلیث کے استماع سے ظاہر ہے تو پھر کیونکر کہدیجے کہ دین بجنسہ محفوظ ہے اصول ہی غلط ہوں تو پھر فروع کا کیا اعتبار۔ علاوہ بریں جیسے حاکم ضلع کی اطاعت اُس ضلع والوں کے ذمے ہوتی ہے اور افسر اعلیٰ گورنر وغیرہ کے ذمہ اس کی اطاعت نہیں ہوتی بلکہ افسر اعلےٰ کی اطاعت اُس کے اور سب کے ذمہ ہوتی ہے۔ ایسے ہی سوائے خاتم الانبیار اور انبیار کی اطاعت انہیں لوگوں کے ذمہ ہوگی جنکے لئے وہ بھیجے گئے۔ ہاں خاتم کی اطاعت البتہ سب کے ذمہ ہوگی۔ انجیل پڑھنے والوں کو معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰ خاتم نہ تھے ورنہ دعویٰ خاتمیت ضرور کرتے بلکہ آپنے تو اپنی خاتمیت سے انکار ہی کیا جو یہ فرمایا کہ جہان کا سردار آنیوالا ہے اور فارقلیط کی بشارت دی غرض اسوجہ سے بھی حضرت عیسیٰ کا اتباع نہ کرنا معصومیت میں رخنہ انداز نہیں ہوسکتا ۱۲منہ

موقع عذر میں یوں کہا کرتے ہیں کہ میں بھول گیا تھا یا میں سمجھا نہ تھا۔ اگر باوجود نسیان و غلط فہمی بھی مخالفت کو گناہ کہئے تو پھر موقع عذر میں یہ کہنا کہ میں بھول گیا تھا سراسر لغو ہوا کرے۔ بہرحال گناہ یعنی سرکشی کے لئے یہ بھی ضرور ہے کہ مخالفت مذکورہ بوجہ نسیان و غلطی نہ ہو عمداً ہو اور عمداً بھی ہو تو اُس شخص کی محبت اور عظمت جسکی مخالفت کرتا ہے باعث مخالفت نہ ہوئی ہو چنانچہ اثناء تقریر میں ہم نے خود اس مضمون کیطرف اشارہ کرکے یہ کہدیا تھا کہ کبھی بھولے چوکے یا بتقاضاء محبت بھی انبیاء سے مخالفت ہو جاتی ہے البتہ عمداً نہیں ہوتی الحاصل گناہ وہ مخالفت ہے جو عمداً ہو اور باعث مخالفت اُس کی محبت و عظمت نہ ہوئی ہو جس کی مخالفت کرتا ہے۔ اگر بوجہ نسیان یا بتقاضائے محبت و عظمت[1] مخالفت سرزد ہو جائے تو پھر اُس کو گناہ نہیں کہتے بلکہ زلت کہتے ہیں جس کا ترجمہ لغزش[2] ہے مگر اس صورت میں حضرت آدم علیہ السلام کے گیہوں کھا لینے کو موافق اصول اہل اسلام گناہ اور جُرم قرار دینا غلط ہے۔ کیونکہ اول تو حضرت آدم علیہ السلام نے یہ حرکت مخالف امر خداوندی بھول کر کی تھی چنانچہ قرآن شریف میں حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں یہ وارد ہے فنسی ولم نجد لہ عزما جسکا حاصل یہ ہے کہ آدم علیہ السلام بھول گئے اور ہم نے اُن میں پختگی نہ پائی۔ اور اگر حضرت آدم علیہ السلام[3] سے عمداً یہ مخالفت ظہور میں آئی تو اُس کا باعث کوئی ہوا نفسانی نہیں ہوئی بلکہ بتقاضاء محبت خداوندی اُن سے یہ حرکت سرزد ہوئی تفصیل اسکی یہ ہے کہ قرآن شریف میں اس

[1] یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی مخدوم مکرم اپنے چھوٹوں کو سرہانے بیٹھنے کو کہے اور وہ اُس کے کہنے کو نہ مانے تو اُس نہ ماننے کو کوئی شخص سرکشی نہیں کہتا اور منجملہ جرم شمار نہیں کرتا بلکہ مین دلیل طاعت شمار کرتا ہے ۱۲ منہ

[2] اور ظاہر ہے کہ لغزش اُسی حرکت کو کہتے ہیں جو بے اختیار انہ صادر ہو کسی اور کے دھکے اور صدمہ سے وقوع میں آئے مگر ایسی حرکت کو کوئی عاقل جرم اور بغاوت اور سرکشی کے اقسام میں شمار نہیں کرتا ۱۲ منہ

[3] اگر کسی صاحب کو یہ شبہ دامنگیر ہو کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے تھے تو یہ آیت جسمیں ہر (بقیہ صفحہ ۳۸)

قصہ کو اس طرح فرمایا ہے مانہاکما ربکما عن ہذہ الشجرۃ الاان تکونا ملکین اوتکونا من الخالدین وقاسمہما انی لکما لمن الناصحین فدلہما بغرور۔ جس کا حاصل اوپر کی عبارت کے ملانے سے یہ نکلتا ہے کہ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا سے یہ کہا کہ اس پھل کے کھانے سے تم کو خدا نے فقط اسلیے منع کیا ہے کہ اُسے کھاکر کہیں فرشتے نہ بن جاؤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷) مانہاکما ربکما عن ہذہ الشجرۃ الاان تکونا ملکین اوتکونا من الخالدین غلط ہوگی کیونکہ اس آیت میں صاف اسبات کیطرف اشارہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ممانعت خداوندی یاد تھی اور اگر عمداً یہ حرکت اُن سے وقوع میں آئی تو پھر آیت فنسی ولم نجد لہٗ عزما غلط ہوگی تو اسکا جواب یہ ہو کہ یہ دونوں آیتیں اسی قصہ کے متعلق ہیں تو پھر آیت فنسی ولم نجد لہٗ عزما کا یہ مطلب ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ایک تو یہ بات بھول گئے کہ وجہ ممانعت وہ نہیں جو شیطان بیان کرتا ہے بلکہ وجہ ممانعت پاس عزت وراحت حضرت آدم وحضرت حوا علیہما السلام تھا۔ چنانچہ خود قرآن شریف میں فرماتے ہیں۔ ولا تقربا ہذہ الشجرۃ فتکونا من الظالمین جس کا حاصل یہ ہو کہ اے آدم وحوا تم اس درخت کے پاس بھی مت پھٹکنا یعنی اسکا پھل مت کھانا ورنہ ظالم ہو جاؤ گے۔ غرض اس فعل کا نتیجہ حسب ارشاد خداوندی ملکیت وخلود نہ تھا بلکہ ظلم تھا جسکا انجام سب جانتے ہیں کہ بد ہوتا ہے سو حضرت آدم علیہ السلام ایک تو نتیجہ مخالفت کو جو وجہ ممانعت تھی بھول گئے۔ دوسرے یہ بات بھی بھول گئے کہ خداوند کریم نے بہ نسبت شیطان فرمادیا تھا کہ انہ عدو لکما فلا یخرجنکما من الجنۃ فتشقی جسکا حاصل ہو کہ شیطان تم دونوکا دشمن ہی ایسا نہ ہو تم دونوں کو جنت سے نکالدے اور تو بدبخت ہوجائے یعنے ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو فریب دے دلاکر ہماری مخالفت کرادے اور اس سبب سے تم جنت سے نکالے جاؤ۔ غرض ارشاد خداوندی بہ نسبت شیطان اور نیز بہ نسبت وجہ ممانعت دونوں بھول گئے فقط ممانعت یاد رکھی اور اس بھول کے باعث نوبت یہانتک آئی اور اگر آیت فنسی ولم نجد لہٗ عزما کسی اور قصہ کے متعلق ہے جیسے بعض حدیثوں میں ہو کہ حضرت آدم علیہ السلام نے خدا سے یہ استدعا کی کہ میری عمر میں سے کسیقدر رکھکر حضرت داؤد علیہ السلام کو دیدیجائے اور پھر وقت تشریف آوری ملک الموت ندا فرمایا کہ میں نے اپنی عمر نہیں دی جس سے انکا بہ نسبت اپنی استدعا کے بھول جانا ثابت ہوتا ہے تو پھر دونوں آیتوں میں ظاہری مخالفت بھی نہ رہیگی جو نوبت استفسار آئے البتہ اس صورت میں جواب اول کام کا نہ رہیگا ۱۲ منہ

کہیں ہمیشہ رہنے والوں میں سے تم بھی نہ ہوجاؤ۔ پھر بعد اس کے شیطان نے قسم کھاکر کہا کہ میں تمہارے خیرخواہوں میں سے ہوں۔ سو اسطور پر فریب دیکر انکو نکال باہر کیا اور اس بلندی سے نیچے گرادیا۔ یہاں تک حاصل مطالب قرآنی تھا۔ اب ہماری سنیئے کہ جب وجہ مخالفت فرشتے ہوجانے اور خلود یعنے ہمیشگی کا شوق ہے چنانچہ سیاق آیت سے ظاہر ہے تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کی طرف موافق اہل اسلام گناہ الزام عائد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ فرشتے مقربان بارگاہ الٰہی ہوتے ہیں آورزوئے تقرب خداوندی اُسی شخص کو ہوسکتی ہے جو خدا کو عظیم الشان سمجھتا ہو اور خدا سے محبت رکھتا ہو۔ سو اس مخالفت کو گناہ کہنا جو بالیقین بتقاضائے محبت خداوندی اور بلحاظ عظمت خداوندی ظہور میں آئے سراسر ناانصافی ہے۔ الحاصل حضرت آدم علیہ السلام کا گیہوں کھا لینا منجملہ گناہ نہیں بلکہ از قسم زلت ولغزش ہے۔ اس کے بعد یہ فرمایا کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی نسبت آپکا یہ فرمانا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے نعوذ باللہ زنا کیا یا حضرت سلیمان علیہ السلام نے نعوذ باللہ بت پرستی کی اور یہ باتیں قرآن میں موجود ہیں بالکل غلط ہیں قرآن شریف میں کہیں ان باتوں کا پتہ نہیں۔ اگر تم کو قرآن شریف یاد ہوتا تو تم کرسٹان نہ ہوتے۔ پھر اس کے بعد یہ فرمایا کہ آپ جو یہ ارشاد کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کون نبی تھا سو اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے یہ کب کہا تھا کہ ہر قرن اور ہر زمانہ میں نبی کا ہونا ضرور ہے۔ اگر میں یہ کہتا تو البتہ تمہارا یہ اعتراض بجا تھا میں نے فقط اتنا کہا تھا کہ ہر گروہ میں کوئی ڈرانے والا خدا کی طرف سے چاہیئے۔

۱؎ جو چیز عزیز ہوتی ہے تا مقدور اُس چیز کو حفاظت سے رکھتے ہیں۔ اور خراب نہیں ہونے دیتے۔ سو حضرت آدم علیہ السلام کو خلود کی آرزو وہ بھی نازونعمت میں اسی غرض سے تھی کہ خدا کے نزدیک عزیز ہوجاؤں ۱۲ منہ

اور ظاہر ہے کہ اِس مضمون پر آپکا اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد اعتراض
ثالث کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ اول تو قرآن شریف میں مذکور ہونا کوئی شرط
ثبوت نہیں۔ روایت صحیح چاہیئے سو بحمد للہ روایات احادیث اہل اسلام جن میں اکثر
معجزات محمدی منقول ہیں ایسے صحیح ہیں کہ توریت و انجیل کی روایات[1] اُس کے ہم پلہ
نہیں ہوسکتیں۔ علاوہ بریں معجزہ انشقاق قمر اور پیشین گوئی خلافت وغیرہ قرآن شریف
میں نہیں اور کا ہے میں ہیں۔ اتنے میں پادری نولس صاحب نے فرمایا کہ دس
منٹ ہوچکے اس لئے مولوی صاحب مجبوری بیٹھ گئے۔ پر غالباً یہ ارشاد فرمایا کہ تنگی
وقت سے مجبور ہوں ورنہ جواب اعتراض رابع موجود ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہا
کہ ایک ایک اعتراض کرتے جایئے اور جواب لیتے جایئے۔ بہت سے اعتراض
اکٹھے ہوجاتے ہیں تو بوجہ تنگئ وقت جواب میں دقت پڑتی ہے۔ کیونکہ اعتراض
میں تو کچھ دیر نہیں لگتی البتہ جواب کے لئے زمانہ واسع چاہیئے۔ پادری محی الدین
نے کہا کہ اب سے ایسا ہی ہوگا۔ خیر سننے والوں کے دل ہی میں ارمان رہ گیا مگر

[1] نصاریٰ کے اعتقاد کے موافق الفاظ تورات و انجیل خدا کیطرف سے نہیں آئے۔ ادھر سے
فقط الہام معانی ہوا ہے۔ انبیا یا حواریوں نے اپنے الفاظ میں اُن مضامین کو ادا کردیا۔ چنانچہ ترجموں کو
تورات و انجیل کہنا بھی اسپر دلالت کرتا ہے سو اسبات میں احادیث نبوی صلعم حسب اعتقاد اہل اسلام تورات و انجیل
کی برابر ہوئیں کیونکہ احادیث کی نسبت بھی اعتقاد اہل اسلام بعینہ یہی ہے پھر اسپر یہ بات علاوہ رہی کہ اہل اسلام میں
تو یہاں سے لیکر اوپر تک راویوں کی تعداد نام و نشان مراتب علم و دین سب معلوم اور تورات و انجیل کے راویوں کی نسبت
ان باتوں میں سے ایک بھی معلوم نہیں۔ ادھر یہاں بوجہ احتیاط ترجموں کو حدیث نہیں کہتے کیونکہ پیغمبروں کی
طرف تو بوجہ قرب و کمال عقل یہ احتمال نہیں کہ خدا کا مطلب نہ سمجھے ہوں ورنہ منصب پیغمبری قابل اطمینان نہ رہی
اور مترجموں کی طرف بوجہ کم فہمی و الفت (یعنی ذہن نشینی و خوگردگی) و عادت اور نیز بد نیتی وغیرہ سو طرح کے
احتمال ہیں یہی بلا اہل کتاب کے حق میں سرمایہ ضلالت ہوگئی ۱۲ منہ

سر رشتۂ اختیار اپنے ہاتھ سے بجز خاموشی کچھ بن نہ پڑا۔ کیونکہ پادری صاحبوں نے اعتراض و جواب کے لئے
دس دس منٹ مقرر کر دئیے تھے اور ہنود بھی اُنہیں کے ہمصفیر ہو گئے تھے اسلیے مسلمانوں کی خواہش
در بارہ عدم تعین وقت کچھ کارگر نہ ہوئی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ مولویصاحب تو بیٹھے اور پادری
محی الدین پھر کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام
کے زنا اور بُت پرستی کا بیان گو قرآن میں نہیں پر بائیبل یعنی توریت و انجیل و زبور میں یہ
افسانے موجود ہیں اور قرآن میں بیبل کی تصدیق موجود ہے۔ یہ کہہ کر وہ تو بیٹھے اور مولوی
صاحب کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا کہ قرآن شریف میں بیشک توریت و انجیل کی تصدیق ہے
مگر اُس توریت و انجیل کی تصدیق ہے جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوئی
تھی۔ اِس توریت و انجیل کا مذکور نہیں جو آپ صاحبوں کے ہاتھ میں ہے۔ اسکا اعتبار نہیں
کیونکہ اسمیں تحریف یعنی تغیر و تبدل واقع ہو چکی ہے۔ اسپر پادری محی الدین صاحب بہت جھلا
کر اُٹھے اور فرمایا کہ اگر آپ تحریف ثابت کر دیں تو ابھی فیصلہ ہے۔ مولویصاحب نے فرمایا ابھی
سہی۔ اور یہ کہکر جناب امام فن مناظرہ اہل کتاب یعنی مولوی ابوالمنصور صاحب کیطرف
مخاطب ہو کر یہ فرمایا کہ ہاں مولویصاحب انجیل کے اُس ورس کی نسبت جو آج صبح آپنے
ہم کو مع اُسکے حاشیہ کے دکھلایا تھا علمائے نصاریٰ کی رائے سے پادریصاحب کو مطلع فرما
دیجئے۔ امام صاحب نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ تحریفات تو بہت مگر مشتے نمونہ از خروارے
ورس ۷ باب پانچواں یوحنا کا نامہ دیکھئے اُسمیں یہ مضمون ہے کہ تین ہیں جو آسمان پر گواہی
دیتے ہیں باپ اور کلام اور روح القدس اور یہ تینوں ایک ہیں اور پھر فرمایا جب کتاب
مرزاپور میں باہتمام اکابر پادریان بہت اہتمام سے سوسایٹی کیطرف سے عبرانی اور یونانی
زبان سے اُردو میں ترجمہ ہو کر سنہ ۱۸۷۰ع میں چھپی تو ورس مذکور کی نسبت حاشیہ پر اُن پادریوں نے
جو اُسکے طبع کے منتظم تھے یہ عبارت چھاپ دی ہے کہ (یہ الفاظ کسی قدیم نسخہ میں نہیں پائے جاتے)
اسپر پادریوں نے انکار کیا اور یہ کہا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اسلئے مولوی محمد قاسم صاحب نے

امام فن مناظرہ اہل کتاب جناب مولوی ابو المنصور صاحب سے یہ عرض کیا کہ آپ وہ کتاب ہی منگا لیجئے اسلئے حسب اشارہ امام صاحب انکا ایک خادم دوڑا اور خیمہ میں سے وہ کتاب اُٹھا لایا امام صاحب نے وہ مقام کھولکر دکھلا دیا دیکھتے ہی پادریوں کے تو ہوش اُڑ گئے۔ اور اہل جلسہ پر یہ بات آشکارا ہوگئی کہ مسلمان بازی جیتے۔ مگر اسپر بھی پادری محی الدین صاحب نے حیا کو کام فرمایا اور شرم اُتارنے کو یہ فرمایا کہ یہ تحریف نہیں کمی وبیشی ہے۔ ہر چند جواب تو اسکا یہی تھا کہ کمی بیشی خود اقسام تحریف میں سے ہے اسلئے کہ حاصل تحریف فقط تغیر و تصرف ہے کسیطرح ہو۔ مگر حسب بیان مولویصاحب موصوف مولوی صاحب کو پادریصاحب کی انصاف پرستی سے یہ کھٹکا ہوا کہ پادری صاحب اس باب میں لا و نعم کرتے کرتے وقت کو خراب کر دینگے۔ اسلئے یہ فرمایا کہ اگر یہ تحریف نہیں کمی بیشی ہے تب بھی ہمارا مطلب ہاتھ سے نہیں جاتا۔ اثبات تحریف سے اہل اسلام کو اس سے زیادہ اور کیا مقصود ہے کہ توراۃ و انجیل قابل اعتبار نہیں۔ سو در صورت تسلیم کمی و بیشی یہ بات بدرجہ اولیٰ ثابت ہوجائیگی۔ اس اثنا میں پادری جان ٹامس صاحب کرسٹان اُٹھے اور در بارہ نسخ کچھ فرمانا چاہا مگر کھڑے ہوکر ایک دو ہی لفظ کہنے پائے تھے کہ جو رہ گئے اور لاچار ہوکر اُن کو یہ کہنا پڑا کہ ہاں مولویصاحب آپ کیا فرماتے تھے۔ مولوی محمد قاسم صاحب نے فرمایا معقول آپ کو اصل بات تو معلوم ہی نہیں اعتراض کرتے کس بھروسے پر آپ کھڑے ہوئے تھے۔ اسپر اکثر اہل جلسہ یہانتک کہ پادری لوگ بھی ہنس پڑے مگر جوں توں سنبھل سنبھلا کر پادری صاحب نے یہ فرمایا کہ اہل اسلام کے نزدیک اخبار میں نسخ نہیں ہوتا احکام میں ہوتا ہے اور آیات قرآنی بعضے تو منسوخ التلاوت بھی ہیں اور منسوخ الحکم بھی ہیں اور بعضی منسوخ الحکم ہیں اور بعضے فقط منسوخ التلاوت ہیں۔ اس قسم کی بات بیان کر کے حسب عادت بس کر کے بیٹھ گئے مگر کسی کو یہ معلوم نہ ہوا کہ پادری صاحب نے کس بات پر اعتراض کیا موافق مثل مشہور المعنی فی بطن الشاعر پادری صاحب کے سوا اور کسیکو اُن کا مطلب نہ کھلا اور میں جانتا ہوں کہ شاید وہ بھی اتنا ہی سمجھے ہوں کہ کوئی مطلب کی بات میں نے نہیں کہی مگر بہت

کھینچ تان کیجئے تو تقریر سابق سے پادری صاحب کے کلام کو اس سے زیادہ مناسبت نہیں
نکل سکتی کہ آیات منسوخ التلاوت کا قرآن سے نکالدینا قرآن کی نسبت بھی کمی کے اقرار کا
باعث ہے شاید اسلئے اسکے جواب میں غالباً مولوی محمد قاسم صاحب نے یہ فرمایا کہ جب ہمکو
بالیقین یہ معلوم ہے کہ پہلے اتنا تھا اور اب اتنا ہے۔ پہلے یہ حکم تھا اب یہ حکم ہے اور پھر
جو کچھ ہوا خدا کے حکم سے ہوا ہمارا تصرف نہیں تو پھر قرآن کو تورات وانجیل[1] پر قیاس کرنا
سخت ناانصافی ہے۔ اسکے بعد پادری نولس صاحب بولے کہ بیشک[2] یہ فقرہ زاید ہے اور جو کچھ
پادریان مرزاپور نے حاشیہ پر لکھا صحیح و درست ہے مگر یہ چھاپ دینا اور اُسکے الحاق کا اقرار
کرلینا اُنکا ہماری دیانت کی دلیل اور ہماری راستبازی کی علامت ہے کہ جو بات غلط تھی اُسکو
غلط کہتے ہیں صحیح نہیں کہتے۔ اس پر جناب مولوی منصور علی صاحب نے یہ فرمایا کہ ہم یہ کب کہتے
ہیں کہ آپ جھوٹے ہیں آپ سچے سہی ہمارا مطلب یہ ہے کہ آپکا دین جھوٹا ہے سو اُسکا جھوٹا
ہونا آپکے[3] اقرار سے ثابت ہوگیا۔ ادھر اول تو مولوی محمد قاسم صاحب نے یہ فرمایا کہ اگر یہ فقرہ الحاقی
ہے تو اسکو انجیل سے نکال دیجئے اور عقیدۂ تثلیث سے توبہ کیجئے۔ مگر اسپر پادری جان ٹامس صاحب
نے یہ کہا کہ ہم کو اس مضمون کی تعلیم اور طریقہ سے ہوتی ہے اور پھر پادری نولس صاحب کیطرف
مخاطب ہوکر یہ فرمایا کہ پادری صاحب اگر ایک پیالے پانی میں ایک قطرہ پیشاب کا

---

[1] یعنی تورات وانجیل میں کمی وبیشی تغیر وتبدل جو کچھ ہوا بندوں کے تصرف سے ہوا خدا کے حکم سے نہیں ہوا پھر یہ معلوم نہیں کہ اصل کیا تھی لفظ کیا تھے اسکے معنے کیا تھے غرض نسخ تلاوت آیات قرآنی اصل مطلب کے خلط ملط ہوجانے کا باعث نہیں ہوا بخلاف انجیل کے کہ ایک سی فقرہ کے بڑھانے سے کسقدر خرابی واقع ہوئی کہ توحید کو چھوڑ کر تمام نصاریٰ تثلیث کے معتقد ہوگئے۔ حالانکہ اس فقرے کی نسبت حسب تحریر سابق یہی اعتقاد ہے کہ یہ فقرہ الحاقی ہے ۱۲ منہ

[2] جای غور ہے اہل اسلام سے تو معجزات کا ثبوت قرآن سے مانگا جائے حالانکہ معجزات پر بناء نبوت نہیں بلکہ معجزات ہی خود نبوت پر مبنی ہیں اور بناء نبوت فقط کمال عقل وفہم واخلاق پر ہے جسکا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت آفتاب سے زیادہ روشن ہے چنانچہ پہلے واضح ہوچکا اور اپنا یہ حال ہو کہ اصل عقیدہ ہی جسپر بنا رکھا ہے فقرہ الحاقی انجیل میں ہے ۱۲ منہ

[3] یہ وہ جواب ہے جسکو موٹا بھی کہسکتے ہیں اور باریک بھی کہسکتے ہیں الزامی بھی کہسکتے ہیں اور تحقیقی بھی کہسکتے ہیں اور ایسے لطیف جواب ظرافت آمیز کمتر دیکھنے میں آتے ہیں ۱۲ منہ

کا گر جائے تو وہ قطرہ سارے پانی کو ناپاک بنا دیتا ہے۔ وہ پانی باوجودیکہ قطرہ سے اضعاف مضاعف اور کہیں زیادہ ہے اُس قطرہ کو پاک نہیں بنا دیتا۔ اسپر پادری صاحب کو شور کرنے کیلیئے ایک بہانہ ہاتھ آگیا کھڑے ہو کر بہت تیزی سے یہ فرمایا کہ انجیل خدا کا کلام اس قابل نہیں کہ اسمیں ناپاکی ملائی جائے۔ آپ ایسی بُری تشبیہ نہ دیجئے۔ ہر چند پادری صاحب کا یہ شور بیجا تھا کیونکہ مولویصاحب نے انجیل کو تو پاک ہی پانی سے تشبیہ دی تھی۔ ناپاک سے نہ دی تھی۔ قطرۂ ناپاک قطرہ پیشاب سے اگر تشبیہ دی تھی تو الحاقیات کو دی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ اسمیں کوئی بے ادبی نہیں بلکہ الحاق کو بے ادبی کہیئے تو سراسر بجا ہے مگر حسب بیان مولویصاحب اُسوقت مولویصاحب نے تطبیق مثال میں گفتگو کرنی فضول سمجھی اور اس اندیشہ سے کہ مبادا اسمیں وقت ختم ہو جائے یہ کہا کہ پادریصاحب آپ کہاں تک ایسی باتیں کرینگے۔ آپ ایک مثال میں گفتگو کرینگے میں دس مثالیں بیان کرونگا۔ یہ تو آپ اُس سے کہیئے جسکو اور مثال نہ آتی ہو آپ مثال نہ سُنئیے دوسری مثال سُنئیے۔ اگر کوئی شخص حسن میں لاثانی ہو جمال میں یوسف ثانی ہو مگر اُسکی ایک آنکھ کانی ہو تو اُسکا یہ عیب ساری خوبیوں کو خراب کردیگا باقی اعضا کا حُسن اور انکی خوبی اس آنکھ کے عیب کو خوبی نہ بنا دیگا۔ ایسے ہی اگر کسی دستاویز کسی وثیقہ میں ایک جگہ مخدوش ہو تو باقی دستاویز اور وثیقہ کی درستی اس ایک مقام مخدوش کو درست اور صحیح نہ بنا دیگی۔ اُس ایک جگہ کا مخدوش ہونا تمام دستاویز اور تمام وثیقہ کو مخدوش بنا دیگا۔ پھر تماشا ہے کہ مقدمات دنیوی میں تو ایسی دستاویزیں قابل اعتبار نہ رہیں حالانکہ اہل عقل کے نزدیک متاع دنیا چنداں قابل اہتمام نہیں اور مقدمہ دینی میں ایسی دستاویز مخدوش لایق اعتبار ہو جائے۔ اور اتفاق سے حالت وعظ میں منصف شہر یعنی شاہجہانپور بھی آگئے تھے اور مولوی صاحب کے سامنے ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ مولویصاحب نے یہ کہکر منصف صاحب کیطرف اشارہ کرکے پادری نولس صاحب سے فرمایا کہ اس مقدمہ میں ہمارے آپکے حکم منصف صاحب ہی ہے اوروں کے مقدمات اور جھگڑے بھی

یہی فیصل کرتے ہیں ہماری ڈگری بھی یہی کرینگے - اور پھر منصف صاحب کیطرف مخاطب
ہوکر یہ فرمایا کیوں منصف صاحب آپ ہی فرمائیں اگر کوئی دستاویز جعلی آپ کے ہاں آئے
اور اُسکا جعل کھلجائے خود مدعی اقرار جعل کرے یا اور کسی طریقہ سے اُسکا جعلی ہونا ثابت ہوجائے
تو قانون سرکاری اُسکی نسبت کیا ہو اور آپ اس مقدمہ میں کیا فیصلہ فرمائینگے مگر منصف
صاحب نے بطور اعلان کچھ نہ فرمایا تبسم کرتے رہے ہاں بعض صاحبوں سے سنا کہ منصف
صاحب نے یہ فرمایا کہ دعوی ڈسمس دستاویز مسترد مدعی اور گواہوں کو چودہ چودہ برس
کی قید - شاید یہ بات منصف صاحب نے اپنے پاس کے صاحبوں سے فرمائی ہو اور اُسوقت
اوروں نے نہ سُنی ہو - اور بعض کا یہ مقولہ ہو کہ یہ بات موتی میاں صاحب یا مولوی عبدالحی
صاحب نے فرمائی مگر راقم حروف نے دونوں صاحبوں سے نہیں سنی پر جس کسی نے کہی
انصاف کی بات کہی ہاں ایک اور بات اپنی سُنی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ جس شب کو
چاندا پور سے شاہجہانپور آئے اُس کی صبح کو راقم حروف مولوی محمد علیصاحب کیخدمت میں
حاضر تھا اور واقعہ چاندا پور کے متعلق ہی باتیں ہو رہی تھیں جو ایک صاحب قوم کے مسلمان
مولویصاحب کیخدمت میں حاضر ہوئے - انداز ملاقات سے یہ معلوم ہوا کہ مولویصاحب کے
آشناؤں میں سے ہیں - اُس ذکر میں اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ منصف صاحب یہ فرماتے تھے
کہ مولوی محمد قاسم صاحب نبوت کے متعلق تقریر بیان کر رہے تھے جو میں بھی اُنکے وعظ
میں پہنچگیا مجھ کو وہ تقریر نہایت پسند آئی اُسکے بعد اُنہوں نے پادری کو تو ایسا ذلیل کیا
کہ غیرت ہو تو منہ نہ دکھائے اور میں اُن کو نہیں جانتا تھا اور وہ مجھ کو نہیں جانتے تھے
خدا جانے اُنہوں نے مجھ کو کاہے سے پہچان لیا جو بار بار میری طرف مخاطب ہوکر کہتے
تھے منصف صاحب آپ ہمارے حکم ہے آپ لوندوں کے مقدمے فیصل کرتے ہیں ہمارا
مقدمہ بھی آپ ہی فیصل کر دیجیے - القصہ پادری صاحبوں کو مولوی منصور علیصاحب اور
مولوی محمد قاسم صاحب کی باتوں کا جواب نہ آیا - ادھر وقت مغرب بھی آگیا تھا اسلئے جلسہ ختم ہوگیا

ہوا مگر اُن دو بار کے بعد جنکا مذکور ہوچکا پادری محی الدین پھر نہ اُٹھے ایک بار کسیقدر آمادہ
بھی ہوئے مگر اور پادری اُنکی طرف گھورنے لگے اور اُن کا گھورنا بجا تھا اُنہیں کی بدولت
پادریوں کو یہ ندامت اُٹھانی پڑی اسلئے بطور ظرافت مولوی منصور علی صاحب نے اُسوقت پادریوں سے
کہا دیکھنا پھر اُنکو مت کھڑا کرنا نہیں تو پھر اسطرح فضیحت کرائینگے یہ ہے ہنود انمیں سے کوئی صاحب
اس جلسہ میں اوّل سے آخر تک بولا بھی نہیں - خیر وقت غروب آفتاب جلسہ برخاست ہوا - اہل اسلام
شاداں و فرحاں اپنی فرودگاہ پر آئے - بعد مغرب مولوی محمد قاسم صاحب اور مولوی منصور علی صاحب
وغیرہ خیمہ میں بیٹھے ہوئے تھے - کسی نے مولوی محمد قاسم صاحب سے یہ کہا کہ بوجہ تنگی وقت اُس اعتراض کا
جواب رہ گیا جو پادری محی الدین نے بدستاویز درود شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت پر
کیا تھا اگر آپ اسکا جواب بیان کرتے تو کیا بیان کرتے مولوی صاحب نے کہا پادری محی الدین کا یہ
اعتراض رسول اللہ صلعم کی افضلیت پر بوجہ تشبیہ حضرت ابراہیمؑ جو درود شریف میں واقع ہے وارد نہیں ہوسکتا
کیونکہ مشبہ بہ کا افضل ہونا تشبیہات مجازی میں ضرور ہے تشبیہات حقیقی میں ضرور نہیں بلکہ تشبیہات
حقیقی میں یہ ضرور ہے کہ مشبہ بہ اور مشبہ وجہ شبہ میں دونوں برابر ہوں کوئی کسی سے کم و زیادہ نہ ہو ورنہ
تشبیہ سراسر غلط ہوگی اور ظاہر ہے کہ درود شریف میں تشبیہ حقیقی ہے تشبیہ مجازی نہیں ہاں اسوقت یہ شبہ
پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم کی افضلیت پھر بھی ثابت نہیں ہوسکتی کیونکہ اگر مشبہ بہ مشبہ سے تشبیہ حقیقی
میں افضل نہیں ہوتا تو موافق بیان ہذا دونوں کا مساوی ہونا لازم آئیگا حضرت رسول اللہ صلعم اور
حضرت ابراہیمؑ دونوں ہم پلہ ہو جائینگے ایک دوسرے سے افضل نہ رہیگا اس شبہ کا اوّل جواب تو یہ ہے کہ
تشبیہ فی النسبت میں نسبت کا مساوی ہونا ضرور ہے منسوب الیہ اور منسوب کا برابر ہونا ضرور نہیں مثلاً یوں
کہہ سکتے ہیں کہ ایک کو دو کے ساتھ وہی نسبت ہے جو ایک کروڑ کو دو کروڑ کیساتھ نسبت ہے تو اس صورت
میں نسبت فی مابین تو بحکم تشبیہ مساوی ہے پر اس نسبت کا منسوب الیہ اُس نسبت کے منسوب الیہ کیساتھ اور
ہیں اس نسبت کا منسوب اُس نسبت کے منسوب کے ساتھ کوئی نسبت نہیں رکھتا یعنی ایک کو ایک کروڑ سے اور دو کو دو کروڑ
کے ساتھ کچھ نسبت نہیں علی ہذالقیاس یوں کہہ سکتے ہیں جیسے روح ویسے فرشتے یعنی اگر اچھی روح ہے

تو وقت موت اُسکے لینے کیلئے رحمت کے فرشتے آتے ہیں اور اگر بُری روح ہی تو اُسکے لینے کیلئے عذاب کے فرشتے آتے ہیں ایسے ہی یوں بھی کہہ سکتے ہیں جیسی روح ویسا بدن یعنی اگر روح انسانی ہی تو بدن انسانی ہوتا ہے اور شکل انسانی ہوتی ہی اور اگر روح خنزیری ہوتی ہی تو جسم و شکل بھی خنزیری ہی ہوتی ہی مگر سب جانتے ہیں کجا ارواح بنی آدم کجا فرشتے کجا ارواح کجا اجسام یہ نہیں کہ ارواح بنی آدم اور فرشتے برابر ہو جائیں اور ارواح بنی آدم وغیرہ اور اجسام بنی آدم وغیرہ برابر ہو جائیں باوجود صحت تشبیہ ان مواقع میں ان اشیاء کا برابر ہونا اسی بات پر مبنی ہی کہ تشبیہ فی النسبت[۱] ہے نسبت کا برابر ہونا چاہئے اطراف کا مساوی ہونا ضرور نہیں علی ہذا القیاس یوں کہہ سکتے ہیں جیسا آفتاب ویسی دھوپ جیسا چاند ویسی چاندنی جیسا تخم ویسی ہی شاخ و برگ جیسا درخت ویسا ہی پھل سو اسیطرح درود شریف میں بھی خیال فرمالیجے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جیسے درویشی اور طریقت کے سلسلے متعدد ہیں ایسے ہی نبوت کے بھی سلسلے متعدد ہیں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت رسول اللہ صلعم تو ایک سلسلہ میں ہیں یہ سلسلہ حضرت ابراہیمؑ سے چلا اور حضرت رسول اللہ صلعم پر ختم ہو گیا اور حضرت یعقوبؑ اور اُنکی اولاد حضرت موسےٰؑ ایک سلسلہ میں ہیں۔ یہ سلسلہ حضرت یعقوبؑ سے چلا اور دُور تک چلا گیا مگر سلسلہ اوّل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بمنزلہ تخم سمجھیے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بمنزلہ درخت کامل سمجھیے جسمیں شاخ و برگ پھول پھل سب موجود ہوں علی ہذا القیاس سلسلہ ثانی میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو بمنزلہ تخم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بمنزلہ درخت کامل خیال فرمایئے۔ اور پھر فرمایئے کہ باوجود امکان صحت تشبیہ تساوی کیونکر لازم آتی ہی اور حضرت رسول اللہ صلعم کی افضلیت کسطرح

[۱] تشبیہ فی النسبت درود شریف میں یوں بھی متصور ہے کہ بوجہ کمال عبودیت و اخلاق بمقتضائے کرم خداوندی رسول اللہ صلعم مثل حضرت ابراہیم علیہ السلام مستحق عنایت او رحقدار کرم ہوں اور تشبیہ کا اصلیت سی یہ غرض ہو کہ خداوند عالم جیسا تو نے بمقتضائے کرم حقوق بندگی ابراہیم کو ادا کر دیا ایسا ہی بمقتضائے کرم حقوق بندگی محمدی بھی ادا کر غرض تشبیہ فی النسبت وجوب الادا مقصود ہو تشبیہ فی مقدار الحقوق مراد نہو۔ جو تساوی مراتب ابراہیمی و مراتب محمدی لازم آئے اور فضیلت محمدی ہاتھ سے جائے کیونکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ جیسا کسی کا ایک پیسہ واجب الادا ہے ایسے ہی اُس کے سو روپئے بھی واجب الادا ہیں اور ظاہر ہے کہ اس تساوات وجوب الادا میں آتی ہی مساوات حقوق لازم نہیں آتی بلکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ مقدار حقوق میں زمین آسمان کا فرق ہے ۱۲ منہ

ہاتھ سے جاتی ہی۔ اور دوسرا جواب یہ ہی کہ اگر فرض کیجیئے کوئی شخص ایک ماشہ کندن سونا لیکر ہزار من سونا خریدنا چاہے اور ماشہ بھر کندن سونے کو دکھلائے اور یہ کہے ایسا خریدنا منظور ہے تو یہ تشبیہ تو صحیح ہوتی ہی مگر اسکے یہ معنی نہیں ہوتے کہ ماشہ بھر اور ہزار من برابر ہو گئے جتنی ہزار من والے کو عزت اور ثروت حاصل ہی اتنی ہی ماشہ بھر والے کو بھی ثروت اور عزت حاصل ہی بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس قسم کا ہو اس نوع کا ہو غرض تشبیہ فی النوع مراد ہوتی ہے اور اس وجہ سے تساوی نوعی ضرور ہے مگر تساوی نوعی کو یہ لازم نہیں کہ مراتب شخصی بھی برابر ہو جائیں جو ہزار من والے کا افضل ہونا اور ماشہ بھر والے کا کمتر ہونا لازم نہ آئے ایسے ہی درود شریف میں صلوات ابراہیمی کو نمونہ سمجھیئے اور تشبیہ فی النوع مراد لیجیئے اور جیسے ہزار من والا ماشہ بھر والے سے افضل ہوتا ہے ایسے ہی رسول اللہ صلعم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل سمجھیئے۔ اسی اثنا میں منشی پیارے لال صاحب تشریف لے آئے اور مولوی محمد قاسم صاحب سے یہ فرمانے لگے کہ بعد مغرب پادری اسکاٹ صاحب وغیرہم بھی آ پہنچے اور گفتگو کے متعلق شرائط سنکر یہ فرمانے لگے کہ درس کے لیئے ایک گھنٹہ سے کم نہ ہونا چاہیئے اس باب میں مسلمانوں کی رائے ٹھیک ہے کیونکہ ایک گھنٹہ سے کم میں کوئی کیا بیان کریگا۔ اسلیئے پادری نولس صاحب وغیرہ نے مجھے بھیجا ہے کہ آپ جو درس کے لیئے ایک گھنٹہ تجویز کرتے تھے اب ہم بھی وہی تجویز کرتے ہیں۔ اسپر مولویصاحب نے فرمایا اب ہم کو منظور نہیں ہم نے تین گھنٹہ تک مغززنی کی اور ہزار منت پادریصاحب سے عرض کیا کہ کم سے کم ایک گھنٹہ درس کے لیئے رکھیے مگر پادریصاحب نے ایک نہ سنی۔ اب پادری اسکاٹ صاحب نے کہا تو ہم سے کہتے ہیں کہ اچھا ایک ہی گھنٹہ سہی۔ ہم پادریصاحب کے محکوم نہیں۔ پادریصاحب اس میلے کے حاکم نہیں کہ جو وہ چاہیں سو ہو۔ اسکے بعد منشی صاحب سے مولویصاحب نے یہ کہا کہ ہم کو ایک گھنٹہ سے انکار نہیں پر پادری صاحب کو ذرا شرمانا بھی چاہیئے۔ مجھ کو انکا شرمانا منظور ہے۔ اول انکو شرما کر پھر اجازت دی جائیگی۔ پھر مولویصاحب نے منشی صاحب سے کہا

اب شاید پادری صاحب یہ بھی درخواست کریں کہ پادری اسکاٹ صاحب بھی مناظرہ کرنے والوں میں داخل کئے جائیں - اور وہ جو آج پانچ پانچ آدمی گفتگو کے لئے مقرر ہوئے تھے۔ اور اُنکے نام معین ہو گئے تھے وہ شرط بھی ترمیم کیجائے - منشی صاحب نے کہا کہ ہاں وہ اسبات کے بھی خواستگار ہیں اور اسکے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر اہل اسلام چاہیں تو وہ بھی کسی اَور کو شامل کرلیں - ہرچند یہ بات عین مطابق رائے مولویصاحب کے تھی - کیونکہ مولوی محمد علیصاحب بھی بعد مغرب ہی تشریف لائے تھے - اور بوجہ کمال علمی مولویصاحب موصوف مولوی محمد قاسم صاحب اور تمام مناظرین اہل اسلام کی یہ آرزو تھی کہ اُن کا نام بھی مناظرین میں داخل کیا جائے بلکہ بلحاظ تشریف آوری منشی اندرمن اُن کا مناظرین میں داخل ہونا ضرور تھا بلکہ خاص اسی لئے اُن کو تکلیف دی گئی تھی - مگر تاہم بغرض مکافات درشتی پادریصاحب و الزام حجت اُسوقت بظاہر مولویصاحب نے یہی فرمایا کہ بعد تقرر شرائط تغیر و تبدیل ممکن نہیں جو ہو چکا سو ہو چکا اور پھر یہ فرمایا کہ منشی صاحب مجھکو کسی بات پر خواہ مخواہ اڑ نہیں مگر ہاں پادریصاحب کی اِس کج رائی پر کہ ہم منتیں کریں اور وہ تسلیم نہ کریں بالفعل ہماری طرف سے یہی جواب ہے کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا آپ اُن کو سنادیں باقی جو کچھ ہو گا وقت پر دیکھا جائیگا - پھر منشی صاحب کیطرف مخاطب ہو کر کہا - منشی صاحب آپنے دیکھا پادریصاحب نے کیسے کیسے حیلے بہانے کیے اور کس کس طرح اہل اسلام کو اظہار مطالب و اثبات مدعا سے مجبور کرتے ہیں کہیں کہتے ہیں دو روز سے زیادہ مباحثہ نہ ہو کبھی فرماتے ہیں چار منٹ حد نہایت ہیں منٹ سے زیادہ درس کیلئے وقت نہ دیا جائے - کوئی پادریصاحب سے پوچھے کہ پہلے سے کون اپنے مطالب کو ناپ تول کر لاتا ہے جو وقت قلیل محدود الطرفین میں بیان کرے - اور مذہبی مباحث چار پانچ منٹ یا دس بیس منٹ میں کوئی کیونکر پورا کرسکتا ہے - بلکہ مولویصاحب نے بعض مواقع میں یہ بھی فرمایا تھا کہ جسکے مذہب میں ایک دو فضیلت ہو وہ دو چار منٹ میں بیان کر سکتا ہے پر جسکے مذہب میں ہزاروں فضائل ہوں وہ اتنے تھوڑے عرصہ میں کسطرح بیان کرسکتا ہے - منشی صاحب نے مولویصاحب کے اس فرمانے پر فرمایا واقعی

اتنا ہمکو بھی معلوم ہوتا ہی کہ پادریصاحب آپ سے گھبراتے ہیں اور انہیں آپ کے مقابلہ کی طاقت معلوم نہیں ہوتی - پھر مولویصاحب نے فرمایا منشی صاحب ہمکو آپ سے یہ بڑی شکایت ہی کہ ہم اور پادریصاحب دونوں آپکے بلائے ہوئے دونوں آپکے مہمان ہیں - آپ کو لازم تھا دونوں کو برابر سمجھتے مگر جب آپ ڈھلتے ہیں انہیں کیطرف ڈھلتے ہیں - جب تائید کرتے ہیں انہیں کی کرتے ہیں - انہیں کی ہاں میں[۵۱] ہاں ملاتے ہیں - منشی صاحب نے فرمایا ہم تو سبھی کے خادم ہیں پر اتنا فرق ہی کہ پادریصاحبوں سے ناخوشی کا اندیشہ ہی - ڈرتا ہوں کہیں ناخوش ہوکر چلے نہ جائیں - اور آپکے اخلاق سو اسبات کا اندیشہ نہیں علاوہ بریں آپ تو سب کی مان لیتے ہیں اور پادریصاحب کسی کی نہیں مانتے - خیر منشی صاحب تو چلے گئے اور مولوی محمد قاسم صاحب اسی پس و پیش میں مولوی محمد علی صاحب کیخدمتمیں موتی میانصاحب کے خیمہ میں تشریف لیگئے - باتوں باتوں میں موتی میانصاحب مولوی محمد قاسم صاحب سے فرمانے لگے - پنڈت دیانند سرستی اور منشی اندرمن آپکی اور مولوی منصور علیصاحب کی بہت تعریف کرتے تھے اور آپ دونوں صاحبوں کی تقریر اور علم کے بہت مداح تھے - بعد اُسکے موتی میانصاحب نے مہمان نوازی کو کام فرمایا - خاطر و تواضع سے سب کو مکلف کھانا کھلایا - نماز عشا سے فارغ ہوکر ہر ایک کو سونے کی سوجھی - مگر علاوہ ساکنان شاہجہانپور و نواح شاہجہانپور دیوبند - میرٹھ - دلی - خورجہ - سنبھل - مراد آباد - رامپور - بریلی - تلہر تک سے بعض بعض شائق تشریف لائے تھے اور سب ملکر ایک مجمع کثیر ہوگیا تھا - اسلیئے وہ خیمہ جو موتی میانصاحب نے خاص باہر کے مہمانوں کیلیے حسب استدعا مولوی محمد قاسم صاحب کے نصب کرادیا تھا کافی نظر نہ آیا اور ادھر موسم کی یہ کیفیت کہ شب کو کسی دن کم کسی دن زیادہ سردی ہوا کرتی تھی - اُس روز اتفاق سے زیادہ سردی تھی پھر اُسپر جنگل کی ہوا دریا کا کنارہ شب کا وقت اور درختوں کی آڑ اور خیمہ کے سایہ کے سوا اور کوئی بچاؤ نہ تھا - سردی کو گیا سمجھ کر سامان سرمائی اکثر صاحب ساتھ نہ لائے تھے - مولوی محمد قاسم صاحب کو اوروں کا فکر ہوا - موتی میانصاحب کی خدمت میں جاکر یہ سب

---

[۵۱] مطلب یہ تھا کہ دربارہ شرائط مناظرہ آپ نے انہیں کی سی کہی - حالانکہ بذریعہ تحریر بواسطہ موتی میانصاحب مولویصاحب کی درخواستیں دربارہ شرائط منشی صاحب نے پیشتر منظور کرلیں تھیں ۱۲ منہ

ماجرا بیان کیا اور یہ کہا کہ آپ کے مہمان بکثرت ہیں۔ وہ خیمہ جو آپ نے مہمانوں کے لئے کھڑا
کرایا تھا کافی نہ ہوا۔ اب بجز اسکے چارہ نہیں کہ آپ اجازت دیں جن صاحبوں کو جگہ نہ
ملے وہ آپ کے خیمہ میں آرام کریں۔ مگر موتی میاں صاحب کے اخلاق کریمانہ اور مہمان
نوازی کی کیا تعریف کیجئے سنتے ہی بکمال اخلاق یہ فرمایا۔ مولوی صاحب یہ بات آج آپکے
پوچھنے کی نہیں۔ آج تو میں آپسے پوچھوں تو بجا ہے کہ میں کہاں سوؤں؟ مگر اتنی مہلت
دیجئے کہ جو صاحب باقی ہیں وہ کھانا کھالیں۔ القصہ کچھ یہاں کچھ وہاں جہاں کسی کو جگہ
ملی سر رکھ کر پڑ گیا۔ صبح ہوتے ہی پھر وہی ذکر و فکر تھا جو اتنے میں ساڑھے سات بجگئے ؁

کیفیت جلسہ روز دوم

ساڑھے سات بجتے ہی گفتگو کرنیوالے اور سننے والے سب میدان مناظرہ میں اکٹھے ہوئے
اہل اسلام بھی بسم اللہ کر کے پہنچے۔ جب سب اپنے اپنے ٹھکانے پر بیٹھ گئے تو اسوقت پادری
نولس صاحب وغیرہ نے مولوی محمد قاسم صاحب سے اسبات کی درخواست کی کہ وقت وعظ بڑھا دیا
جائے اور آج ہماری طرف سے پادری اسکاٹ صاحب درس دینگے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کل ہم
بہزار منت آپسے اسبات کے خواستگار رہے کہ کم سے کم درس کیلئے ایک گھنٹہ عنایت کیجئے
ہماری التماس اور عجز و نیاز پر تو آپنے نظر نہ فرمائی۔ آج اگر کسی کے کہنے سننے سے اپنا نفع
نظر آیا تو آپ ہم سے اسی بات کے خواستگار ہوتے ہیں جسکا ہم سے انکار کر چکے ہیں جو ہو چکا سو
ہو چکا اب کیا ہوتا ہے نہ وقت مقررہ میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔ نہ پادری اسکاٹ صاحب کو درس
کی اجازت ہو سکتی ہے۔ یہ بات وقت تجویز شرائط کیساتھ گئی۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ ورنہ اسکے
یہ معنی ہوئے کہ ہم باوجودیکہ رکن مباحثہ ہیں مباحثہ کے حق میں کالعدم ہیں جو کچھ ہوئے آپ
ہی ہوئے۔ اسپر پادری نولس صاحب نے فرمایا آپ پادری اسکاٹ صاحب سے ڈرتے ہیں۔ مولوی
صاحب نے فرمایا میں تو خدا کی عنایت سے پادری اسکاٹ صاحب کے استاد ہوں تو ان سے کبھی نہ

ڈروں بلکہ انشاءاللہ تعالےٰ تمام پادری بھی اکٹھے ہوجائیں تو نہیں ڈرتا۔ مجھ کو فقط یہ جتلانا تھا کہ بات کو مقرر کر کرا کر کون قائم رہتا ہے اور کون پھر جاتا ہے۔ ہمارا تو یہ قول ہے کہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ دو گھنٹہ جسقدر چاہیں آپ درس کیلئے مقرر کریں جسکو چاہیں درس کیلئے تجویز کریں۔ ہم طرح سے موجود ہیں۔ پر آپکی طرف سے پادری اسکاٹ صاحب مخل مناظرہ کئے جاتے ہیں تو ہم جناب مولوی محمد علی صاحب کو شامل کرینگے۔ مگر ایسا پڑتا ہے کہ گفتگو ہوا کر تینوں فریق کی رضا سے یہ بات مقرر ہوئی کہ آدھا گھنٹہ درس کیلئے ہے۔ اور دس منٹ اعتراض و جواب لیئے دیئے جائیں۔ اسی اثنا میں یہ جھگڑا بھی ہوتا رہا کہ اول کون کھڑا ہو۔ مولوی محمد قاسم صاحب نے چند بار فرمایا کہ اگر اور صاحب اول کھڑے ہوتے گھبراتے ہیں تو مجھ کو اجازت ہو میں سب میں اوّل کھڑا ہوتا ہوں۔ جب یہ مرحلہ طے ہو چکا تو پادری صاحبوں نے اور پلٹی کھائی۔ کیا فرماتے ہیں اُن سوالات میں سے جو منشی پیارے لال کیطرف سے پیش ہوئے۔ اوّل سوال چہارم میں گفتگو ہونی چاہیئے۔ مولوی محمد قاسم صاحب نے فرمایا اگر بلحاظ اثبات و تحقیق مذہب ہے تو جیسا ہم کل عرض کرتے تھے۔ اوّل ذات باری میں گفتگو ہو کہ ہے یا نہیں۔ اور ہے تو ایک ہے یا متعدد۔ پھر صفات باری میں گفتگو ہو کہ صفات مخصوصہ ذات خالق کیا کیا ہیں اور کون کون سے صفات اُسمیں پائے جاتے ہیں کون سے نہیں پائے جاتے۔ پھر تجلیات جناب باری میں گفتگو ہو یعنی جیسے آئینہ وغیرہ میں آفتاب وغیرہ کی جلوہ افروزی ہوتی ہے۔ خدا کی جلوہ افروزی کس کس چیز میں اور کہاں کہاں ممکن ہے۔ اُسکے بعد نبوت میں گفتگو ہو کہ انبیاء علیہم السلام کیضرورت ہے کہ نہیں اور کون ہے کون نہیں اُسکے بعد احکام میں مباحثہ ہو کہ کونسا حکم اصول مذکور پر منطبق ہو سکتا ہے اور کونسا حکم منطبق نہیں ہو سکتا اور کونسا حکم قابل التسلیم ہے کونسا نہیں۔ اگرچہ بروئے انصاف بعد ثبوت نبوت شخص معین و صحت روایت عقل نارسا سے احکام کی بھلائی برائی کی تفتیش امر لاطائل بلکہ نازیبا ہے۔ کیونکہ عقل سے یہ کام ہو سکتا تو انبیاء علیہم السلام کیضرورت ہی کیا تھی اور نبی کا کہنا واجب التسلیم ہوگا تو پھر جو کچھ وہ فرمائیں

بر سر و چشم - بہرحال اگر اثبات و تحقیق مذہب پر نظر ہے تو ترتیب عقلی یہ ہے جو ہمنے کل عرض کی - اور اگر اثبات مذہب سے کچھ بحث نہیں منشی پیارے لال صاحب ہی کے فرمانے کا اتباع ہے تو جو ترتیب اُنکی تجویز کی ہوئی ہے اُسکے موافق کام کیا جائے - با اینہمہ ہم اسپر بھی راضی ہیں - اگر پنڈت صاحب وغیرہ مناظران ہنود راضی ہوجائیں - غرض اہل اسلام کیطرف سے کسی امر میں یہ اصرار نہیں ہوا کہ یوں ہو یوں نہو - مگر ہندوؤں اور عیسائیوں کیطرف سے دربارہ سوالات اور تعیین اوقات البتہ اصرار رہا - ہندوؤں نے جو سوالات مذکورہ کی نسبت اصرار کیا اور دس کے وقت بڑھانے پر راضی نہوئے تو اُس کی وجہ یہ تھی کہ حسب بیان بعض معتبرین سوالات مذکورہ پنڈت دیانند کے تجویز کئے ہوئے تھے - گو بظاہر سائل منشی پیارے لال تھے - چنانچہ سوالات خود کہے دیتے ہیں کہ کس نے تجویز کئے - اور ظاہر ہے کہ جو شخص خود سوالات تجویز کریگا اور وہ بھی اِسطور پر کہ ایک ہفتہ پہلے سے اسی کام کیلئے آیا ہوا ہو اُسکو اُن سوالات کے جوابات میں کچھ دقت نہیں ہوتی - ہاں جو شخص پہلے سے بے خبر ہو اس قسم کا سامان کتب اُسکے ساتھ نہو اُسکی دشواری دیکھنی چاہیئے - اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اُن کو افزایش وقت سے اول ول انکار رہا - یہ سمجھا ہوگا ہم تو سمجھے سمجھائے ہوئے ہیں جو کچھ ہوگا جھٹ پٹ بیان کر دینگے - پر جو شخص پہلے سے بیخبر ہو وہ اگر کچھ بیان بھی کرتا ہے تو بدقت اور بدیر بیان کرتا ہے - با اینہمہ عجب نہیں پنڈت صاحب کو یہ بھی خیال ہو کہ پادری لوگ تو فلسفہ اور الٰہیات سے بے خبر ہی ہوتے ہیں رہے اہل اسلام اُن میں اگرچہ اِن علوم کو ایسا جانتے ہیں کہ عالم میں اب اَور کوئی نہیں جانتا - مگر جو صاحب پادریوں کے مباحثہ کا شغل رکھتے ہیں وہ صاحب اکثر اِن علوم سے بے بہرہ ہوتے ہیں وہی صاحب تشریف لائے ہونگے - اِن سوالات کے جوابوں میں خواہ مخواہ رہجا ئینگے - ہاں اور قسم کے سوالات پیش کئے گئے تو پھر اہل اسلام سے بازی جیتنی البتہ امر محال ہے - علاوہ بریں جلسہ سال گذشتہ میں اہل اسلام کی تراق پڑاق کی گفتگو کے افسانے سُنے ہوئے تھے اسلئے یہ چال چلنی مناسب سمجھے - اور پادری

نوس صاحب وغیرہ جو اُن سوالوں پر اڑے ہوئے تھے تو اُسکی دو وجہ معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ مولوی محمد قاسم صاحب نے جو روز اوّل دربارہ تغیر سوالات بطور مشارٌالیہ بہت کچھ کہا سُنا تو وہ بھی شل پنڈت صاحب شاید یہ سمجھے کہ اِن سوالوں کے جواب میں یہ لوگ عاری ہیں انہیں سوالات میں گفتگو ہو تو بہتر ہے ہمکو جواب آسے کہ نہ آسے پر کسیطرح سینہ سے سال گذشتہ کا داغ جائے۔ پارسال کا اہل اسلام کا غلبہ کسی طرح خاک میں ملجائے۔ گو ہم بھی لاجواب ہیں۔ مگر اس مجمع میں ہم کو کوئی کہیگا تو بعد ہی میں کہیگا اوّل بدنام ہونگے تو اہل اسلام ہی ہونگے ؎

گو مشتِ خاک ماہم برباد رفتہ باشد	شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتے

یہ نہ سمجھے کہ مولوی محمد قاسم صاحب کا التماس خدا جانے کس غرض سے ہو۔ دوسرے اُسوقت تک اُن کو یہ بھی بھروسہ تھا کہ پادری اسکاٹ صاحب علم معقول میں یکتا ہیں رسالہ منطق کی تصنیف پر سرکار سے پانسو روپیہ انعام پاچکے ہیں شام تک وہ آجائینگے۔ آج جوں توں دن کو ٹلاو چنانچہ یہی ہوا کہ روز اوّل اصرار اور انکار ہی میں وقت جلسہ گذر گیا اور گفتگو نہ ہونے پائی مگر شام کو پادری اسکاٹ صاحب تشریف لائے تو سوالات کو سُنکر گھبرائے اسلئے اسبات کے مستدعی ہوئے کہ سوال چہارم میں اوّل گفتگو ہو اور دربارہ وقت درس اگرچہ پادری نوس صاحب نے غالباً بلحاظ وسعت تقریر مناظران اہل اسلام جو سالگذشتہ میں دیکھ چکے تھے بہت کچھ تنگی کرنی چاہی۔ چار منٹ سے بدشواری بیس منٹ پر آئے اور باوجودیکہ اُن کو یاد دلایا گیا کہ سالگذشتہ میں آپ باوجود اصرار اہل اسلام پندرہ منٹ سے زیادہ نہ بڑھے۔ اور پھر خود اپنے درس کیوقت آپکو مولوی محمد قاسم صاحب سے پندرہ منٹ کے بعد اور پندرہ منٹ کی اجازت لینی پڑی۔ اِس تجربہ کے بعد بھی آپ وہی کہے جاتے ہیں۔ اُنہوں نے ایک نہ مانی۔ لیکن پادری اسکاٹ صاحب کو اپنے دن بھی نظر آئے اسلئے باوجود تقریر شرائط شرطِ وقت میں ترمیم کی تدبیر کے درپے ہوئے۔ کمی سو زیادتی کیطرف آئے مگر اہل اسلام کیطرف سے روز اوّل تو دربارہ شرائط کچھ تکرار رہا اور سوالات میں اسلئے کہ مطلب اصلی یعنی تحقیق مذہب ہاتھ آئے۔ حاضران جلسہ جو اکثر اسی اُمید میں آئے ہیں محروم نہ جائیں۔ علاوہ بریں اس قسم کی باتیں

چونکہ اکثر کانوں میں پڑتی رہتی ہیں ہر کوئی سمجھ سکتا ہے جو باتیں کبھی سنی بھی نہیں انکو کون سمجھیگا۔
اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسطرح سے دوسروں کی نسبت اپنی درماندگی اور عجز کا ایہام منظور
ہوتا کہ اس بنا پر حریف تو مغرور ہو جائے اور حاضران جلسہ کو ان سے کچھ امید نہ ہے پھر اسکے
بعد حریف کو پچھاڑا تو زیادہ لطف ہوگا اور سبکو یاد رہیگا مگر آخر کار باین خیال کہ مبادا حاضران
جلسہ کو گریز کا وہم ہو اور پادری لوگ اور پنڈت لوگ یہ کہتے پھریں کہ اہل اسلام گریز کر گئے۔ مولوی
محمد قاسم صاحب نے یہ فرمایا کہ ہم ہر طرح سے آمادہ ہیں۔ پنڈت صاحب کو راضی کر لیجئے مگر پنڈت
صاحب راضی نہ ہوئے۔ آخر کار منشی پیارے لال کی رائے پر منحصر رکھا گیا۔ مگر انہوں نے بھی
اسوقت پنڈت جی کی سی ہی کہی۔ یہ کہا کہ میری رائے میں بھی یہی ہو کہ گفتگو ہو تو حسب ترتیب سوالات
ہو اسلئے پادری صاحب کو مجبور ہونا پڑا اور یہ کہا کہ میں کل بعد شام آیا تھا عیسائی بھائیوں نے
مجھسے یہ کہا کہ کل تم کو سوال چہارم کا درس دینا پڑیگا مینے اسی سوال کو دیکھ بھال سوچ سمجھ کہا
تھا۔ مگر جب آپ صاحب نہیں مانتے تو بمجبوری میں اسی سوال کا درس دیتا ہوں جو ان سوالات
میں اول ہو۔ وہ سوال یہ تھا۔ خدا نے دنیا کو کب پیدا کیا اور کا ہے سے پیدا کیا اور کیوں پیدا
کیا۔ غرض اس سوال کا جواب دینے کے لئے پادری اسکاٹ صاحب اس چوکی پر تشریف لائے
جو گفتگو کرنیوالوں کیلئے بیچ میں بچھائی گئی تھی اور یہ فرمایا۔ سائل جو یہ پوچھتا ہے کہ خدا نے
دنیا کو کا ہے سے پیدا کیا اسکا جواب تو یہ ہے کہ نیستی سے پیدا کیا۔ اپنی قدرت سے پیدا کیا
اپنے ارادہ سے پیدا کیا۔ اور یہ جو وہ پوچھتا ہے کہ کب پیدا کیا۔ یہ بات قابل سوال نہیں۔
اس سے بندہ کو کیا مطلب ہے کہ کب پیدا کیا جو اسکی تحقیق کیجئے۔ غرض مباحثہ مذہبی سے اسکو کچھ تعلق
نہیں اور نہ کتب مذہب کی رو سے اسکا ثبوت ہو سکتا ہے۔ البتہ مورخین اسمیں کچھ لکھتے ہیں سو انکے
اقوال خود مختلف ہیں مگر اتنی بات یقینی ہو کہ عالم کے وجود کے لئے ایک ابتدا ہی۔ رہی یہ بات کہ
کیوں پیدا کیا اسکا جواب یہ ہے کہ اسکا خوشی جو اسکے جی میں آیا اسنے کیا۔ عالم کے بنانے میں اسکا کچھ
نفع نہیں اگر ہوگا تو کسی اور ہی کا نفع ہوگا۔ خلاصہ جواب پادری صاحب تو اتنا ہی ہے۔ اگرچہ

الفاظ اتنے کچھ تھے کہ ایک وسیع وقت پادریصاحب نے اُنکے بیان میں صرف کیا۔ خیر پادری
صاحب تو فارغ ہو کر کرسی پر بیٹھے اور مولوی محمد قاسم صاحب کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا کہ
پادری صاحب مطلب سوال ہی نہیں سمجھے۔ سائل کا یہ مطلب ہی نہیں کہ موجود ہونے سے پہلے
معدوم تھا یا نہ تھا یا خدا نے جو عالم کو پیدا کیا تو اُسکے بنانے میں قدرت سے یا کسی اور آلہ سے کام لیا
اگر یہ مطلب ہوتا تو البتہ پادری صاحب کا یہ جواب مطابق سوال ہوتا۔ سائل کا یہ مطلب معلوم ہوتا
ہے کہ مادہ[۱] عالم کیا ہے۔ خداوند عالم نے عالم کو کس مادہ اور کس اصل سے بنایا۔ یہ کہکر منشی
پیارے لال اور لالہ مکتا پرشاد وغیرہم کیطرف متوجہ ہو کر استفسار مطلب سوال کا ارادہ کیا ہی تھا
جو لالہ مکتا[۲] پرشاد نے کہا ہاں مولویصاحب یہی مطلب ہے جو آپنے بیان کیا۔ اسکے بعد مولوی
صاحب نے فرمایا کہ جب پادری صاحب مطلب سائل ہی نہیں سمجھے تو اُنکا جواب سراسر
لغو ہو گیا۔ سوال از آسمان جواب از ریسمان اسی کو کہتے ہیں۔ ہاں جواب سوال ہم بیان کرتے
ہیں حاضران جلسہ متوجہ ہو کر سُنیں۔ عالم کو خداوند عالم سے ایسی نسبت سمجھئے جیسے دھوپ کو
آفتاب سے نظر آتی ہی جیسے آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اُسکے نور سے عالم منور ہو جاتا ہی اور غروب
ہوتا ہے تو اُسکا نور اُسکے ساتھ چلا جاتا ہے اور روئے زمین و آسمان تیرہ و تاریک رہ جاتے ہیں ایسے
ہی ارادہ ایجاد خداوندی سے مخلوقات موجود ہو جاتے ہیں۔ اُسکے ارادہ فنا سے مخلوقات فنا او
معدوم ہو جاتے ہیں جیسے دہوپوں کا مادہ وہ نور آفتاب ہی جو اُس سے لیکر دور دور تک پھیلا ہوا ہے
اور تمام زمین و آسمان کو اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہی ایسے ہی تمام مخلوقات کی ہستی کا مادہ
خدا کا وہ وجود ہے جو تمام کائنات کو محیط ہے اور سب کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے جیسے

[۱] مخلوقات کا قبل پیدائش معدوم ہونا ایسا نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو جو نوبت سوال آئی علیٰ ہذا القیاس خالق کا صاحب
اختیار اور صاحب قدرت ہونا بھی بدیہی ہی یہ بھی لائق استفسار نہیں۔ البتہ مادہ عالم ایسی چیز ہے کہ اُسکی حقیقت
ہر کسی کو معلوم نہیں اسلئے مولوی صاحب نے یہ فرمایا تھا کہ مطلب سائل کا وہ نہیں جو پادری صاحب سمجھے تھے
بلکہ مطلب سائل اور ہی کچھ ہے ۱۲ منہ [۲] کہنے کو تو منشی پیارے لال میلے کے بابمیں زیادہ مشہور تھے مگر دیکھنے
بھالنے سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ لالہ مکتا پرشاد بھی شریک و مہتمم ہیں ۱۲ منہ

دہوپوں کی روشنی کی اصل آفتاب کا نور مذکور ہی اور دہوپوں کے اشکال مختلفہ مربع مثلث
منحرف دائرہ وغیرہ موافق تقطیعات صحن و روشندان وغیرہ اُسپر عارض ہوجاتے ہیں ایسے
ہی مخلوقات کی ہستی اور وجود کی اصل تو خدا کا وجود مذکور ہے پر اشکال مختلفہ مخلوقات جنکے
وسیلے سے ایک کو دوسرے سے تمیز کرسکتے ہیں موافق علم خداوندی اُسپر عارض ہوجاتی ہیں
غرض جیسے کشتی اور کشتی میں بیٹھنے والوں کی حرکت تو ایک ہوتی ہو پر کشتی اور کشتی میں
بیٹھنے والے باہم مغائر ہوتے ہیں۔ کشتی اَور ہے اور کشتی نشین اَور۔ پھر مَیں اَور ہوں اَو
تم اَور۔ اور ایسے ہی خداوند عالم اور عالم کا وجود تو واحد ہے پر خدا اَور ہے اور عالم اَور ہم
میں اَور ہوں اور تم اَور ہو۔ غرض جیسے نور مذکور اور حرکت مذکور دونوں طرف منسوب ہے
آفتاب اور کشتی کیطرف انتساب صدور اور انتساب اوّلی اور ذاتی اور حقیقی ہی اور زمین اور
کشتی نشین کیطرف انتساب وقوع اور انتساب ثانوی اور عرضی اور مجازی ہی ایسے ہی وجود احد
دونوں طرف منسوب ہے۔ خدا کیطرف تو نسبت صدور اور ذاتیت اور حقیقیت اور اولیت ہی اور
عالم کیطرف نسبت وقوع اور عرضیت اور مجازیت اور ثانویت ہی جیسے دہوپوں کی شکلیں
مربع ہوں یا مدوّر مثل نور آفتاب کیطرف سے صادر ہوکر اور اُسمیں سی نکلکر نہیں آتیں اور اسلئے مثل
نور اُس کی عطا اور اُسکا فیض اور اُسکی صفت نہیں بلکہ یوں کہتے ہیں کہ آفتاب کے سبب پیدا
ہوگئی ہیں آفتاب طلوع نہ ہوتا تو یہ شکلیں پیدا نہ ہوتیں ایسے ہی حقائق مخلوقات یعنی اُن کی
اشکال ممیزہ خواہ ظاہرہ ہوں جیسے حقایق اجسام یا باطنہ جیسے حقایق ارواح مثل وجود خدا
کی ذات سے صادر ہو اور اُس سی نکلکر نہیں آئیں جو اُنکو فیض خداوند عالم اور عطاء خداوند
عالم اور صفت خداوند عالم کہیئے بلکہ خداوند عالم کی ذات کے بدولت یہ تمام حقایق
پیدا ہوگئے ہیں۔ اگر وہ ارادہ ایجاد نہ کرتا تو یہ کارخانہ پردۂ عدم سے جلوہ گاہ وجود میں
نہ آتا۔ اس صورت میں حقائق کی بھلائی بُرائی خالق کی بھلائی بُرائی کا باعث نہ ہوگی۔
وہ اشکال ہی بھلی بُری کہلائیں گی۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے صفحۂ کاغذ و فرش پر

کوئی خوشنویس بھلے اور بُرے حرف لکھ دے ظاہر ہے کہ وہ حرف ہی بھلے یا بُرے معلوم ہونگے۔ کاتب اور خوشنویس اُنکے سبب بھلا یا بُرا معلوم نہ ہوگا۔ ایسے ہی حقایق ممکنہ کے بھلائی یا بُرائی خدا کی بھلائی یا بُرائی کا باعث نہ ہوگی۔ وہ بھلائی اور بُرائی اُن حقایق تک ہی رہیگی۔ بالجملہ حقائق ممکنہ خدا سے بھی مغائر اور باہم بھی مغائر۔ البتہ مادہ حقایق مذکورہ وہ وجود مشترک ہی جسکو خدا کی ذات سے وہ نسبت ہے جو آفتاب کی شعاعوں کو اُس کی ذات سے نسبت ہوتی ہی۔ مخلوقات اپنے وجود میں اُسکی ایسی ہی محتاج ہیں جیسی وہ ہدبیں اپنے وجود میں شعاعوں کی محتاج ہیں یا حرارت آب گرم اپنے وجود میں حرارت آتش کی محتاج ہے چنانچہ مخلوقات کے وجود کی ناپائداری اور آمد وشد ہی اسبات پر دلالت کرتی ہی کہ انکا وجود خانہ زاد نہیں مستعار ہی۔ کسی ایسے کا فیض ہی جسکا وجود اُسکا خانہ زاد اور اُسکی ذات کے ساتھ مثل حرارت آتش و نور آفتاب لازم و ملازم رہتا ہے۔ رہی یہ بات کہ خدا نے دُنیا کو کب پیدا کیا اِسکے جواب میں ہم پادری صاحب ہی کے ہمصفیر ہیں۔ واقعی یہ بات از روئے مذہب قابل استفسار نہیں۔ اگر قابل استفسار ہی تو یہ بات ہے کہ کیوں بنایا۔ روٹی کی نسبت یہ پوچھنا کہ کب پکی اور کب پکائی ایک امر لغو ہے۔ قابل استفسار ہی تو یہ بات ہی کہ روٹی کاہے کے لئے پکائی جاتی ہے۔ سو غرض پیدایش عالم جو سوال اوّل کی تیسری شق ہی البتہ قابل استفسار اور لائق جواب ہے اسلئے ہم بھی عرض کرتے ہیں۔ مگر اوّل یہ عرض کرتے ہیں کہ پادریصاحب کا بہ نسبت غرض پیدایش یہ کہنا کہ اُسکا خوشی۔ یعنی خدا کی خوشی میں آیا عالم کو بنادیا ایسی بات ہی کہ جسکو بعد تنقیح مطلب پادری صاحب کوئی عاقل تسلیم نہیں کرسکتا۔ اسکا حاصل تو یہ ہوا کہ عالم کے پیدا کرنے میں کوئی غرض اور حکمت نہیں۔ یونہی جو خوشی میں آیا کرلیا۔ اگر یہ ہے تو یوں کہو پادری صاحب نے خدا کے افعال کو بچوں کے افعال کے برابر کردیا۔ یہ شان بچوں کی ہوتی ہے کہ جو جی میں آیا کرلیا۔ جی چاہا بیٹھ گئے جی چاہا کھڑے ہوگئے۔ جی چاہا کودنے لگے۔ جی چاہا تھم گئے۔ کھانے کو جی چاہا کھالیا۔ سونے کو جی چاہا سو رہے۔

خدا کجا اور یہ بات کجا اُسکے افعال میں بھی حکمت نہو تو اور کسکے افعال میں حکمت اور مصلحت ہوگی
اُسکے بندوں میں تو یہ صفت ہو کہ جو کریں اُسکے لئے کوئی نتیجہ سوچ لیں۔ کوئی حکمت اور مصلحت
خیال میں بٹھالیں۔ خداوند عالم میں یہ عمدہ بات کیونکر نہ ہوگی۔ مگر ہاں یہ مسلم کہ مطالب مقصودہ
دو طرح کے ہوتے ہیں کبھی تو یوں ہوتا ہے کہ کرنے والا نتیجہ افعال اور مقاصد اعمال کا محتاج
ہو جیسے بیمار طبیب سے نسخہ لکھوانے جاتا ہے تو اُسکو اُسکی حاجت ہوتی ہی۔ اور کبھی یوں ہوتا ہی
کہ افعال کا کرنیوالا اُسکے نتیجہ کا محتاج نہ ہو بلکہ کوئی دوسرا محتاج ہو اور اُسکی کارروائی مقصود
ہو مثلاً اگر طبیب نسخہ لکھتا ہے تو بحیثیت طب طبیب کو اُسکی حاجت نہیں ہوتی بلکہ دوسرے کی
حاجت روائی مقصود ہوتی ہی۔ ایسے ہی خداوند عالم کو عالم کی پیدایش سے اُس قسم کا مطلب
تو ہرگز مرکوز خاطر نہیں جسکی نسبت اُسکا محتاج ہونا لازم آئے۔ کیونکہ محتاج ہوگا تو خدا ہی
کیا ہوگا۔ بلکہ خدائی کو یہ لازم ہے کہ تمام موجودات اپنے وجود میں اُسکے محتاج ہوں۔ چنانچہ ہم
کل ثابت کرچکے ہیں کہ اُسکے افعال میں حکمت ہوگی تو دوسری[1] ہی قسم کی ہوگی۔ چنانچہ
عالم کے پیدا کرنیکے معنی بھی یہی ہیں کہ وجود اور لوازم وجود سے اُسکو سرفراز فرمایا۔ ہاں البتہ اُن
افعال میں جن میں دوسری قسم کی حکمت ہو خاص اپنی ذات کے لئے بجز اعزاز و تعظیم اور کچھ
مقصود نہیں ہوتا۔ ہوتا ہے تو یہی ہوتا ہی بلکہ ضرور ہوتا ہے اسلئے یہ داد و دہش وجود و صفات
وجود بھی جو خلاصۂ ایجاد ہے کسی نہ کسی غرض کے لئے ہوگی۔ وہ غرض کیا ہے عبادت و
بندگی اور عجز و نیاز ہے جو اصل مطلوب خدا ہونا چاہئے۔ یعنی اور جس صفت کو دیکھئے خدا
کی درگاہ میں اوّل موجود ہے۔ اور کوئی عالم ہی تو وہ علیم ہے۔ اور کوئی قادر ہے تو وہ
قدیر ہے۔ اُسی کے علم و قدرت کا پرتوہ ہی جو مخلوقات میں علم و قدرت نمایاں ہیں۔ یعنی
جیسے آئینہ میں عکس آفتاب اور پرتوہ آفتاب نظر آتا ہے درحقیقت آئینہ میں کوئی نور نہیں ہوتا
ایسے ہی مخلوقات میں بھی عکس و پرتوہ خداوندی ہی۔ درحقیقت ممکنات میں نہ علم ہے نہ قدرت

---

[1] چنانچہ عالم کے پیدا کرنے کے معنے بھی یہی ہیں کہ وجود اور کمالات وجود یعنی لوازم وجود سے اُنکو سرفراز فرمایا
یہ عطا اور نفع غیر نہیں تو اور کیا ہے ۱۲ منہ

اسلئے اِس قسم کی صفات تو مطلوب نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ صفات تو خود اُسی کے دیئے ہوئے ہیں۔ مطلوب وہ چیز ہو گی جو اُس کے پاس نہ ہو گی۔ ایسی چیز بجز عبادت وعجز و نیاز اَور کیا ہو سکتی ہے۔ یہی ایک ایسی چیز ہے جو خدا کے پاس نہیں۔ خدا کی درگاہ میں اُسکا پتہ نہیں۔ مگر سارے عالم کا اِس غرض سے مخلوق ہونا اسطرح پر ہو کہ سارا عالم انسان کے لئے ہے اور انسان اس کام کے لئے ہے۔ اس وقت باقی عالم اور انسان کی ایسی مثال ہو گی جیسے کہا کرتے ہیں گھاس دانہ گھوڑے کے لئے اور گھوڑا سواری کے لئے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس وقت میں گھاس دانہ سے مطلب بھی وہی سواری ہو گی۔ علیٰ ہذا القیاس روٹی کھانے کیلئے ہوتی ہے اور لکڑی اُپلے روٹی کے لئے ہوتے ہیں۔ مگر سب جانتے ہیں کہ اُسوقت لکڑیاں اور اُپلے بھی کھانے کیلئے مطلوب ہونگے۔ اس لئے لکڑی اُپلے وغیرہ سب کے دام لگا کر کہا کرتے ہیں کہ کھانے میں اتنا صرف ہوا۔ الغرض جو چیز کسی چیز کا سامان ہو وہ چیز اُسی حساب میں اور اُسی مد میں لکھی جاتی ہے۔ اور اُسی ذیل میں شمار کی جاتی ہے۔ مگر زمین سے آسمان تک جس چیز پر نظر پڑتی ہے انسان کے کارآمد نظر آتی ہے۔ پر انسان اِن چیزوں میں سے کسی کے کام کا نہیں۔ اعتبار نہ ہو تو دیکھ لیجیے۔ زمین اگر نہ ہوتی تو کاہے پر تھمتے اور کاہے پر بیٹھتے۔ کاہے پر سوتے کاہے پر چلتے پھرتے۔ کاہے پر کھیتی کرتے۔ کاہے پر مکان بناتے۔ کاہے پر باغ لگاتے۔ غرض زمین نہ ہوتی تو انسان کو جینا محال تھا۔ اور انسان نہ ہوتا تو زمین کا کچھ نقصان نہ تھا۔ علیٰ ہذا القیاس پانی نہ ہوتا تو کیا پیتے اور نہ پیتے تو کیونکر جیتے۔ کاہے سے آٹا گوندھتے اور کاہے سے سالن وغیرہ پکاتے۔ کاہے سے کپڑے وغیرہ دھوتے۔ کاہے سے نہاتے۔ غرض پانی نہ ہوتا تو انسان کی زندگی دشوار تھی۔ اور انسان نہ ہوتا تو پانی کا کیا نقصان تھا۔ ہَوا نہ ہوتی تو سانس کیونکر چلتا۔ کھیتی وغیرہ کا کام کیونکر نکلتا۔ یہ ٹھنڈی ہوائیں روح افزا کہاں سے آتیں۔ غرض ہَوا نہ ہوتی تو جان ہَوا ہو جاتی۔ ہم نہ ہوتے تو ہَوا کو کیا دقت پیش آتی۔ اسیطرح آگ

تک چلے چلو سورج چاند ستارے اگر نہ ہوتے تو دیکھنا بھالنا چلنا پھرنا ایک امر محال تھا۔ انسان نہ ہوتا تو نہ سورج کا نقصان تھا۔ نہ چاند سورج کو کوئی دشواری تھی۔ آسمان اور اسکی گردشیں نہ ہوتیں تو یہ سایبانی کون کرتا۔ اور یہ گرمی جاڑے کے موسم کیونکر آتے۔ اور انسان نہ ہوتا تو نہ آسمان کا نقصان تھا نہ گردشوں میں کوئی دقت تھی۔ الغرض انسان کو دیکھئے تو زمین و آسمان میں سے کسی کے کام کا نہیں۔ پر سوا اسکے جو چیز ہے سب انسان کے کام کی ہے۔ اسصورت میں اگر انسان خدا کے کام کا بھی نہ ہو تو یوں کہو کہ انسان سے زیادہ کوئی نکما ہی نہیں۔ مگر بہتیں فرماؤ کہ اس دانش و کمال اور اس حسن و جمال پر انسان کو کون نکما کہدیگا۔ اگر انسان اس افضلیت مسلمہ او مشہورہ پر بھی نکما ہے تو یوں کہو اُس سے زیادہ بُرا ہی کوئی نہیں۔ اسلئے چار و ناچار یہی کہنا پڑیگا کہ انسان خالق جہان کے کام کا ہے۔ ایسی خوبی اور اس اسلوبی پر ایسے ہی بڑے کام کے لئے ہوگا۔ مگر ظاہر ہے کہ خداوند عالم کسی بات میں کسی کا محتاج نہیں پھر انسان سے محتاج کا تو کیا محتاج ہوگا جسکی سب سے زیادہ محتاجگی اسی سے ظاہر ہے کہ زمین سے لیکر آسمان تک تمام عالم کی اُسکو ضرورت ہے اسلئے یہی کہنا پڑیگا کہ اُسکو بندگی اور عجز و نیاز کیلئے بنایا ہے۔ کیونکہ یہی ایک ایسی چیز ہے جو خدا کے خزانہ میں نہیں۔ مگر چونکہ یہ عجز و نیاز خدا کے مقابلہ میں موافق تقریر بالا ایسا ہوگا جیسا طبیب کے سامنے بیمار کی منت و سماجت تو جیسے بیمار کی منت و سماجت کا یہ ثمرہ ہوتا ہے کہ طبیب اُسکے حالِ زار پر مہربان ہوکر چارہ گری کرتا ہے ایسے ہی انسان کی بندگی یعنے عجز و نیاز کی بدولت خداوند عالم اُسپر مہربان ہوکر اُس کی چارہ گری کیونکر نہ کریگا۔ بہرحال تمام عالم انسان کے لئے ہے اور انسان عبادت کے لئے ہے اسلئے جیسے باین وجہ کہ گھوڑا سواری کے لئے اور گھاس دوانہ گھوڑے کے لئے ہے تو گھاس دانے کو بھی سواری ہی کے لئے سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی باین وجہ کہ انسان عبادت کے لئے ہے اور تمام دنیا انسان کیلئے ہے تمام عالم کو بھی عبادت ہی کے لئے سمجھئے۔ غرض مقصود اصلی پیدایش عالم سے عبادت ہے جو سامان حاجت روائی بنی آدم ہے۔ اپنی حاجت روائی

مقصود نہیں - اِس قسم کے مضامین مولوی صاحب بیان کر رہے تھے جو میعاد معینہ ختم ہو گئی
اسلئے مولوی صاحب تو بیٹھے اور پنڈت صاحب کھڑے ہوئے مگر ہم نے سُنا ہی کہ منشی پیارے لال یا
منشی بکتا پرشاد نے مولوی صاحب کے اِس جواب کو سُنکر یہ کہا - جواب اسکو کہتے ہیں یا یہ کہا جواب
تو یہ ہوا مگر جو کچھ کہا بجا کہا خیر مولوی صاحب تو بیٹھے اور پنڈت دیانند صاحب موقع
گفتگو پر تشریف لائے اور اپنے محاورات میں کچھ فرمانا شروع کیا - مگر چونکہ اُنکی زبان میں
الفاظ سنسکرت بہت ملے ہوئے تھے - بلکہ اکثر جملے کے جملے سوائے کے کا وغیرہ حروف
ربط کے سنسکرت میں ہوتے تھے تو سوائے دو چار آدمیوں کے حاضران جلسہ میں سے اُنکے
مطلب کو کوئی نہ سمجھا ہوگا - ہاں ایک دو بات اِس قسم کی سمجھ میں آئیں کہ جیسے کُمہار گھڑا
وغیرہ برتن بناتا ہے تو اوّل گارا ہونا ضرور ہے - گارا نہ ہو تو پھر برتن نہیں بن سکتا -
ایسے ہی خدا نے جو اِس عالم کو بنایا تو اُسکا مادہ پہلے سے ہونا چاہئے - وہ بھی مخلوق ہو
تو پھر عالم کا بنانا ایسا ہوگا جیسے بے گارے برتن بنائے - غرض مادۂ عالم قدیم ہے اور قدیم
سے عالم کا وجود ہے اور ہمیشہ ایسا ہی چلا جائیگا - اور جیسا کہ پادری صاحب کہتے ہیں کہ
قدرت آلہی سے نیست سے ہست ہوا یہ بات معقول نہیں - کیونکہ نیست کوئی چیز نہیں -
اِس سے کوئی چیز پیدا نہیں ہو سکتی - مگر اِن دو ایک بات کے سوا اور کچھ کسی کی سمجھ میں
نہ آیا - یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ غرض پیدایش عالم اُنہوں نے کچھ بیان کی یا نہ کی - اور بیان
کی تو کیا بیان کی - ہاں اَوروں کے بیان سے اتنا معلوم ہوا کہ پنڈت صاحب اُسوقت
تناسخ یعنے آواگون کے بھی مُدعی ہوئے - خدا جانے اِس دعوی کے لئے دلیل کیا پیش
کی ہوگی - الغرض اصل مطلب تو بوجہ دقت زبان معلوم نہ ہوتا تھا اسلئے مولوی محمد قاسم
صاحب نے عین اُسوقت جس وقت پنڈت صاحب تقریر کر رہے تھے اپنی کرسی سے
اُٹھکر آہستہ سے منشی اندرمن صاحب سے یہ کہا کہ آپ اگر خود کچھ بیان نہیں فرماتے
تو یوں ہی کیجئے کہ آدھے وقت میں تو پنڈت صاحب جو کچھ اُن کو بیان کرنا ہو کر لیا کریں

اور آدھے وقت میں آپ اسکا ترجمہ کر دیا کریں۔ جو ہم بھی کچھ سمجھیں ورنہ پھر نہ تسلیم کی کوئی صورت ہے نہ اعتراض کی کوئی جگہ۔ مگر منشی صاحب نے اسکے جواب میں کہا۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھہ کو کبھی لکھ دینے کا اتفاق نہیں ہوا۔ جو لوگ یہ کام کرتے رہتے ہیں انہیں سے ہو سکتا ہے اسلئے میں معذور ہوں۔ خیر چار ناچار پنڈت صاحب نے جو کچھ سُنایا سُننا پڑا۔ جب وہ فارغ ہوئے تو حسب ترتیب اوّل پادری اسکاٹ صاحب پھر کھڑے ہوئے۔ مگر باوجودیکہ وقتِ اعتراض تھا اپنی تقریر اوّل پیش کی۔ جب پادری صاحب اپنا کام کر چکے اہل اسلام کی نوبت آئی تو مولوی محمد قاسم صاحب نے جناب مولوی محمد علی[ا] صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ نیاز مند تو پنڈت صاحب کی تقریر کچھ سمجھا نہیں اسلئے اب آپ ہی کو تکلیف کرنی پڑیگی۔ اگر میں کچھہ سمجھتا ہوتا تو انشا اللہ تا مقدور آپ کو تکلیف نہ کرنے دیتا۔ مگر مولانا محمد علی صاحب نے فرمایا میں بھی پورا پورا نہیں سمجھا۔ مگر مولوی محمد قاسم صاحب نے عرض کیا کہ میں کچھہ بھی نہیں سمجھا اسلئے مولانا محمد علی صاحب اُٹھے اور یہ فرمایا کہ پنڈت صاحب کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ عالم ازلی ہے اور مادہ بھی قدیم ہے۔ اور پیدا کیا ہوا کسی کا نہیں لازم آیا کہ مادہ واجب الوجود ہے۔ پس دو واجب الوجود موجود ہوئے اور توحید جاتی رہی علاوہ بریں ضرورت تسلیم باری تعالیٰ کی کیا رہی سوا اسکے یہ بات ظاہر ہے کہ عالم مرکب ہے اور ترکیب کیواسطے حدوث لازم ہے۔ اس صورت میں قدم عالم بالبداہت باطل ہے پھر پنڈت صاحب کھڑے ہوئے اور حسب بیان اہل فہم اوّل تو اُنھوں نے پادری صاحب پر وہی اعتراض سابق کیا۔ بعد ازاں اپنے اوپر کے اعتراض کا جواب اسطور پر دیا کہ جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے بیان کو ہمارے مقابل فریقوں نے اچھی طرح نہیں سمجھا۔ ہم صرف مادۂ عالم کو قدیم کہتے ہیں عالم کو قدیم نہیں کہتے۔ عالم کو اُس مادہ سے خدا تعالیٰ نے ایجاد کیا ہے اور چونکہ ایجاد کرنیوالا عالم کا خدا تعالیٰ ہے اسلئے خدا تعالیٰ کے ماننے کی ضرورت ہوئی۔ کیونکہ مادہ سے

[ا] بوجہ شغل رد ہنود مولانا محمد علی صاحب کسیقدر زبان سنسکرت سمجھتے تھے ۱۲ منہ

خود بخود عالم پیدا نہیں ہوگیا بلکہ پیدا کرنیوالا عالم کا خداتعالی ہو۔ غرض خلاصہ بیان پنڈت صاحب یہ تھا۔ اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ دس منٹ پورے ہوگئے اسلئے پنڈت صاحب تو چوکی پر اُترے اور یہ یاد نہیں رہا کہ پھر کون کھڑا ہوا۔ ترتیب مشارٌالیہ تو یوں کہتی ہو کہ پادری صاحبوں میں سے کوئی کھڑا ہوا ہو۔ چنانچہ اتنا یاد ہے کہ سوائے پادری اسکاٹ صاحب دیسی پادریوں میں سے بھی بعض صاحب اُٹھے تھے۔ مگر چونکہ اُنکی تقریر قابل التفات نہ تھی تو کچھ یاد نہیں رہا کہ اُنہوں نے کیا بیان کیا اور کیا نہ کیا۔ البتہ اتنا یاد ہے کہ اسی اثنار میں ایک بار مولوی محمد قاسم صاحب پھر کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا کہ پنڈت صاحب جسکو مادہ قدیم کہتے ہیں اگر وہی وجود مذکور ہے جسکو ہمنے مادہ عالم قرار دیا ہے تو چشم ما روشن دل ما شاد۔ پنڈت صاحب بھی ہمارے ہی ہمصفیر ہوگئے۔ اور اگر کچھ اور چیز ہے یعنے خدا کی صفت اور اُسکی تجلّی نہیں بلکہ ایک امر مستقل اور خدا کی ذات سے منفصل ہو تو وہ اگر مخلوق ہی نہیں بلکہ اپنے آپ ہی موجود ہو تو وہ خود خدا ہوگا۔ خدا اُسی کو کہتے ہیں کہ خود بخود موجود ہو۔ اپنے موجود ہونے میں اُسکو خالق کی ضرورت نہو اور اگر مادہ مذکور مخلوق ہو تو پھر اُسکے قدیم ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ کیونکہ جو چیز اپنے آپ موجود نہیں کسی دوسرے کے موجود کرنے سے موجود ہے تو اُسکا وجود اُسکا خانہ زاد نہوگا اُسی کی عطا ہوگا جس نے اُسکو موجود کیا۔ اور اُسوقت اُسکی ایسی مثال ہوگی جیسے زمین اپنے آپ منوّر نہیں آفتاب کے منور کرنے سے منور ہوتی ہو تو اُسکا نور بھی عطاء آفتاب ہی ہوتا ہے بشل نور آفتاب خانہ زاد نہیں ہوتا۔ الغرض اگر مادّہ مذکور مخلوق ہوگا تو یہ معنی ہونگے کہ خالق کے موجود کرنیسے موجود ہوا جسکا حاصل یہ ہوگا کہ اُسکا وجود اُسکا خانہ زاد نہیں بلکہ عطار خالق ہو۔ مگر چونکہ عطار وجود مثل عطار نور مذکور بے اسکے متصور نہیں کہ اُدھر سے وجود آئے اور جیسے آفتاب سے نور اگر زمین پر واقع ہوتا ہے اُسپر وجود مشارٌالیہ اگر واقع ہو تو خواہ مخواہ ایک حرکت کا اُدھر سے اِدھر کو تسلیم کرنا پڑیگا جسکا مبدار اُدھر ہوگا اور منتہا اِدھر اور ظاہر ہو کہ حرکت کی وجہ سے جو چیز حاصل ہوتی ہے اُسمیں عدم اوّل ہوتا ہے۔ اور وجود دوم یعنی حرکات مکانی اگر مثلاً ہوتی ہو تو کسی مکان تک

پہنچنے سے پہلے یہ شخص اُس مکان میں نہ تھا - بعد حرکت وہ مکان اُس شخص کو میسّر آیا - اور یہ شخص اُس مکان میں آسمایا اسلیئے یہ کہنا پڑیگا اول وہ مادہ[1] موجود نہ تھا پھر بوجہ عطاء مذکور موجود ہوگیا - اور ظاہر ہی کہ یہ بات قدم کے مخالف ہی بلکہ اسی کو حدوث کہتے ہیں - علاوہ بریں ہر انقلاب کو حرکت لازم ہی - یہی وجہ ہے انقلاب طلوع و غروب کو دیکھ کر یہ یقین ہوجاتا ہی کہ آفتاب متحرک ہی یا زمین متحرک ہے ورنہ خود آفتاب اور زمین کی حرکت قطع نظر انقلاب مذکور سے آنکھوں سے یا اور کسی طریقہ سے محسوس نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہی کہ علماء علم ہیئت میں اس باب میں اختلاف ہے،

[1] مادہ مذکور جسکو حکماء ہیولی کہتے ہیں اگر مخلوق خداوندی ہی تو موافق قاعدہ مقرر پنڈت صاحب کو ہر مخلوق کیلیئے مادہ اور ہیولی کیضرورت ہی - خود اُس مادہ اور ہیولی کیلیئے بھی مادہ اور ہیولی ہوگا اور پھر اُس مادہ اور ہیولی کی نسبت بھی یہی کہا جائیگا کہ اگر مخلوق ہی تو اُسکے لئے بھی موافق قاعدہ مشارٌالیہ مادہ اور ہیولی کیضرورت ہے علیٰ ہٰذا القیاس اسکے تک چلے چلو - اگر اسی طرح یہ سلسلہ الیٰ غیر النہایہ چلا گیا تب تو تسلسل محال لازم آئیگا اور کہیں ختم ہوگیا تو پنڈت جی کا یہ قاعدہ غلط ہوجائیگا کہ مخلوقات کے لئے مادہ کیضرورت ہی - اور اگر مادہ مذکور مخلوق نہیں تو خود خدا اور واجب الوجود ہوگا کیونکہ جو چیز خود موجود ہو کسی کی مخلوق نہ ہو تو اُسکا خدا ہونا اور واجب الوجود ہونا دونوں ضروری ہیں اور کیوں نہ ہو جو خود موجود ہو وہ بھی خدا نہ ہو تو اور کون ہوگا - اور جسکا ہونا کسی کے ہونے پر موقوف نہ ہو بلکہ اوروں کا ہونا اُسپر موقوف ہو تو اسکا ہونا بھی واجب ہوگا اور کسکا ہونا واجب ہوگا ورنہ خدا کا ثبوت بھی پھر دشوار ہے - خدا کی خدائی اسی سے معلوم ہوئی کہ اوروں کا وجود مستقل نظر نہ آیا بلکہ اُن کا وجود کسی اور پر موقوف پایا - اُس موقوف علیہ کو خدا اور واجب الوجود کہتے ہیں - خدا اسلیئے کہ وہ خود موجود ہے اور واجب الوجود اسلیئے کہ موافق محاورہ عوام تو بوجہ توقف مذکور اُسکا ہونا واجب ہی اور موافق محاورۂ علماء بوجہ لزوم ذاتی وجود جو فیما بین وجود خدائے واجب الوجود ضرورت نسبت کو مقتضی ہی - اُسکے وجود کا ضروری ہونا حسب اصطلاح منطق لازم ہی - کیونکہ جب باوجود تحقق اُسکا وجود عطاء غیر نہیں یعنی مخلوق نہیں تو پھر اُسکا وجود اُسی کا خانہ زاد ہوگا اور وصف خانہ زاد کو یہ لازم ہی کہ موصوف کے حق میں ایسی طرح لازم ذات ہو جیسے زوجیت اربع کو لازم ہی اور ظاہر ہے کہ لوازم ذات موصوف کے حق میں ضروری الثبوت ہوتے ہیں اُنکا زوال اور انفصال ممکن نہیں ہوتا مگر یہ ہی تو پھر وجود بھی ضروری ہی لیکن مادہ بھی واجب الوجود اور خدا ہوگا تو پھر توحید خداوندی جو بدلائل قاطعہ وعظ سابق میں ثابت ہوچکی ہی اور نیز سب کے مسلّم ہی یک لخت باطل ہوجائیگی - اسلئے یہ کہنا لازم ہی کہ مادۂ عالم کوئی صفت خداوندی ہو تاکہ یہ قاعدہ بھی صحیح رہے کہ جیسے برتنوں کیلیئے گارے کی حاجت ہی تمام مصنوعات کیلیئے بھی کوئی مادہ چاہیئے - اور یہ بات بھی غلط نہ ہو کہ خداوند عالم وحدہٗ لاشریک لہ ہے کیونکہ واجب الوجود کا تعدد اگر محال ہی بطور استقلال محال ہی - چنانچہ دلائل ابطال تعدد سے جو وعظ میں گذر چکی ہیں خود ظاہر ہے ۱۲

کہ آفتاب متحرک ہے، یا زمین متحرک ہے۔ اگر حرکت خود محسوس ہوتی تو یہ اختلاف کیوں ہوتا۔ رب کے سب
ایک ہی چیز کو متحرک کہتے۔ الحاصل انقلاب حرکت پر موقوف ہی بے حرکت انقلاب متصور نہیں ورنہ انقلاب کو
دیکھکر حرکت کا یقین نہ ہوا کرتا مگر جس قسم کا انقلاب ہوتا ہی اُسی قسم کی حرکت ہوتی ہی اور اُسی قسم کی
حرکت سمجھ میں آتی ہی۔ انقلابات طلوع و غروب وغیرہ چونکہ از قسم انقلاب مکانی ہیں تو حرکت مکانی
کیطرف ذہن دوڑتا ہے یعنے مثلاً جب یوں دیکھتے ہیں کہ بعد صبح آفتاب طلوع ہوا تو اُسکے یہی
معنی ہوتے ہیں کہ آفتاب مثلاً پہلے اور مکان میں تھا اب اُفق پر آگیا علی ہذا القیاس جب اُفق سے
گزر کر سر پر آفتاب آتا ہی تو اُسکے یہ معنی ہوتے ہیں کہ آفتاب مکان اوّل سی جسکو افق کہتے ہیں اس مکان میں
آگیا جسکو نصف النہار کہتے ہیں۔ مگر چونکہ یہ انقلاب مکانی ہی تو حرکت مکانی ہی ذہن میں آتی ہی حرکت کیفی
یا حرکت کمی یا حرکت وضعی سمجھ میں نہیں آتی اسلئے انقلاب وجود و عدم کو حرکت وجودی اور حرکت عدمی لازم
ہوگی۔ مگر مخلوق ہونا ایک انقلاب وجودی و عدمی ہی کیونکہ مخلوق اُسی کو کہتے ہیں کہ پہلے نہو اور پھر موجود
ہو جائے اور ظاہر ہی کہ یہ انقلاب وجودی و عدمی ہی جب اور انقلاب حرکت ہم جنس پر دلالت کرتی ہیں تو
یہ انقلاب کیونکر حرکت ہم جنس پر دلالت نہ کریگا۔ جسقدر اور انقلاب ہیں وہ اسی انقلاب کے متضمن ہونے
کے باعث انقلاب کہلاتے ہیں۔ اگر یہ عام اور یہ مطلق اور انقلابات خاصہ و مقیدہ میں ملحوظ اور ماخوذ نہ ہو
تو پھر اُن انقلابوں کا انقلاب ہونا بھی غلط ہی انقلاب مکانی کے یہی معنی ہیں کہ پہلے ایک چیز اس مکان
میں تھی اب اس مکان میں موجود ہوگئی غرض وہی ہونا نہ ہونا جسکا حاصل وہی وجود و عدم ہی انقلاب
مکانی میں ملحوظ و ماخوذ ہوتا ہے اور اس سبب سے وہ انقلاب کو انقلاب کہلاتا ہی اسلئے یہ ضرور ہی کہ اس
انقلاب اعظم میں وہ بات بدرجہ اولی ہو جو اور انقلابوں میں بوجہ انقلاب ہوتی ہی مگر وہ کیا چیز ہی یہی
حرکت ہی جسکا ہم جنس انقلاب ہونا تقریر بالا سے روشن ہو چکا ہی لیکن حرکت مجانس انقلاب وجود و عدم وہ
حرکت وجودی و عدمی ہی اسلئے حرکت وجودی کا مخلوقات میں ماننا ہر عاقل کے ذمہ ضرور ہی اور اسوجہ سے اس کا
تسلیم کرنا لازم آتا ہی کہ جیسے حرکت مکانی میں ہر دم نیا مکان آتا ہے اور اُسکے سبب سے مکان اوّل جاتا ہے
ایسے ہی حرکت وجودی میں ہر دم ایک نیا وجود آئیگا اور وجود سابق زائل ہو جائیگا جس سے ہر دم ایک نئے

عدم کا آنا لازم آئیگا۔ اس امتداد حرکت وجودی ہی کو زمانہ سمجھئے کیونکہ زمانہ سے اوپر اور کوئی ایسی چیز نہیں جسمیں مثل حرکات وزمانہ ایک نئی بات ہو اسلئے یہ یقین کامل ہوتا ہو کہ زمانہ یہی حرکت وجودی ہی جو سب حرکات میں اوّل اور سب سے اوپر ہو اور کیوں نہ ہو وجود سے اوپر کوئی اور چیز ہو تو البتہ حرکت وجودی سے اوپر بھی کوئی حرکت ہو مگر ہرچہ بادا باد جب حرکت وجودی واجب التسلیم ہوئی تو بایں وجہ کہ حرکت میں اوّل عدم اور پھر وجود آتا ہی چنانچہ اوپر عرض کرچکا ہوں۔ اور نیز ظاہر ہو کہ زمانہ اور عالم کے لئے ابتدا کا ہونا تو ضروری ہی اور انتہا کا ہونا ضروری نہیں کیونکہ عدم سابق خود حد اوّل ہو جائیگا جنکا حاصل وہی ابتدا وجود ہے جو قدم عالم کے بالکل مخالف ہی اور انتہا کی جانب میں چونکہ وجود ہی عدم نہیں تو انتہا کا ہونا ضروری نہوا۔ ہاں یہ بھی ضروری نہیں کہ برابر وجود ہی برابر چلا جائے اسلئے ابدیت یعنی مستقبل کیجانب ہمیشگی اور انتہا دونوں برابر ہوگئے اور عقل کی رُو سے کوئی بات معین نہ ہوئی فقط مدار کار مشاہدہ پر رہا یا اسبات پر کہ ارادہ خالق وبانئ عالم کا کیا ہی کیونکہ جیسے اُس مکان کا حال جو نیا بنایا جاتا ہی عقل سے معلوم نہیں ہو سکتا معلوم ہوتا ہے تو یا تو مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہی جو بالیقین بعد وجود میسر آتا ہے قبل وجود امکان مشاہدہ نہیں یا بنانیوالے سے معلوم ہوتا ہی کہ کیا بنائیگا۔ اور یہ بات قبل وجود بھی ممکن ہے ایسے ہی عالم کی یہ کیفیت کہ کہانتک بنتا جائیگا یا تو مشاہدہ سے معلوم ہوگی جو بالیقین آیندہ کی بات ہے یا خدا کے تبلانے سے معلوم ہوگی مگر حسب تقریر وعظ مشارٌالیہ خدا تعالیٰ بجز انبیاء علیہم السلام اور کسی کو راز کی باتوں کی اطلاع نہیں کرتا اسلئے دربارہ ابدیت وانتہاء عالم انبیاء کے بیان کی پابندی ضرور ہے۔ اُنہوں نے بحوالہ خداوندی اطلاع کردی کہ ایک روز زمانہ ایکدفعہ یہ عالم نیست ونابود ہوکر پردہ عدم میں مستور ہو جائیگا۔ اور پھر سکو بعد مدت نئے سر سے پیدا کر کے اپنے اپنے کردار کو پہونچائیں گے اِسی قسم کے مضامین مولوی صاحب بیان کر رہے تھے جو مدت معینہ پوری ہوگئی اسلئے وہ تو بیٹھے اور گمان غالب یہ ہے کہ اُنکے بعد پھر پنڈت جی کھڑے ہوئے کیونکہ موافق ترتیب روز اوّل بعد اہل اسلام ہنود ہی کا نمبر تھا اور ہنود میں سوائے پنڈت صاحب اور کوئی صاحب اوّل سے آخر تک کھڑے ہی نہیں ہوئے۔ جو اور کسی کا احتمال ہوتا اسلئے یہی گمان ہوتا ہی کہ بعد مولویصاحب متصل ہی پنڈت صاحب

کھڑے ہوئے۔ اگرچہ یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ عیسائیوں کی طرف سے بعض دیسی پادری جو اِس جلسہ میں کھڑے ہوئے تھے اور ایسی لاطائل تقریریں کی تھیں کہ جنکے سُننے کو بھی اہل جلسہ میں سے کسی کا جی نہیں چاہتا تھا چہ جائیکہ یاد رہتیں وہ بعد مولوی صاحب کھڑے ہوئے ہوں مگر اتنا یقیناً یاد ہی کہ سب سے پہلی تقریر جو اس جلسہ میں ہوئی وہ پنڈت صاحب کی تقریر تھی۔ اور یہ بھی یاد ہی کہ پنڈت صاحب ایک دو بار وقت اعتراض عیسائیوں پر اعتراض کر کے جب تقریر ختم کرنیکو ہوئے تو یہ کہا کہ کیا کیجئے وقت ہو چکا ورنہ مولویصاحب کی بات کا بھی کچھ جواب دیا جاتا۔ خدا جانے یہ اُن کا ارشاد واقعی تھا یا جیسا بظاہر معلوم ہوتا تھا مولویصاحب کی تقریر پر لاجواب ہو کر یہ چال چلتے تھے مگر ہاں اخیر تقریر میں جسکے بعد جلسہ ہی برخواست ہو گیا۔ مولوی صاحب کی تقریر پر یہ اعتراض کیا کہ اگر مادہ عالم حسب تقریر مولویصاحب صفت وجود خداوندی ہو تو خدا کا بُرائی کیساتھ موصوف ہونا لازم آیگا۔ کیونکہ مخلوقات میں بھلے بُرے سب ہیں اگر بھلوں کا وہ مادہ ہی تو بُرونکا بھی وہی مادہ ہوگا۔ اور اسلئے اُسکا بُرا ہونا لازم آیگا۔ پنڈت جی تو یہ فرما کر فارغ ہوئے اور مولویصاحب اُس چوکی پر پُہنچے مگر چونکہ گیارہ بجگئے تھے یا بجنے کو تھے تو پادریوں نے فرمایا کہ بس جلسہ کا وقت ہو چکا۔ مولوی صاحب نے فرمایا دو چار منٹ ہماری خاطر سے اور ٹھیر یئے۔ بندۂ درگاہ جھٹ پٹ پنڈت جی کے اعتراض کا جواب عرض کئے دیتا ہے مگر پادریوں نے نہ مانا اسپر مولویصاحب نے پنڈت صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ پنڈت صاحب فقط آپ ہی ٹھیر جائیں وقت جلسہ ہو چکا ہی تو کیا ہوا دو چار منٹ خارج از جلسہ ہی سہی مگر پنڈت جی نے بھی نہ مانا اور یہ فرمایا کہ اب بھوجن کا وقت آگیا ہی اب ہم سے کچھ نہیں ہو سکتا جب مولویصاحب نے دیکھا کہ پنڈت جی بھی نہیں مانتے اور کیونکر مانتے انجام کار آغاز سے نظر آتا تھا تو بناچاری مولویصاحب نے منشی اندرمن صاحب کا ہاتھ پکڑ کر یہ فرمایا کہ منشی صاحب پنڈت صاحب تو نہیں سُنتے آپ ہی سُنتے جائیں۔ اور یہ کہکر فرمایا میں اس اعتراض کا جواب ضمن[۱] مثال میں وقت بیان اصل مطالب دے چکا ہوں مگر پنڈت صاحب نے اسکا کچھ خیال نکیا اور جو اعتراض نہ کرنا تھا اور دل

[۱] بلکہ بصراحت یہ بات دلیل مرقوم ہو چکی ہی کہ بھلائی بُرائی مخلوقات کی خالق کیطرف عاید نہیں ہوتی یعنی مخلوقات کی بھلائی بُرائی سے خالق کو بھلا بُرا نہیں کہہ سکتے ۱۲

کے سُنانے کو کر گئے ہیں۔ میں کہہ چکا ہوں کہ مخلوقات کو خدا تعالیٰ اور اُسکے وجود کیساتھ جو اُسکے
حق میں بمنزلہ شعاعہائے آفتاب ہے ایسی نسبت ہے جیسے دہوپ کی تقطیعات مختلفہ کو جو روشندانوں کے
کینڈوں اور صحن خانوں کے پیمانوں کے مطابق ہوا کرتے ہیں۔ آفتاب اور اُسکی شعاعوں کیساتھ ہوا
کرتی ہے جس شخص نے اِس مثال کو غور سے سنا ہوگا کہ جیسے تقطیعات مذکورہ کی بھلائی بُرائی اور سوا
انکے اور احکام مختلفہ اُنہیں اشکال و تقطیعات تک رہتے ہیں۔ آفتاب اور نور آفتاب یعنی شعاع
آفتاب تک نہیں پہونچتی۔ ایسے ہی مخلوقات کی بھلائی بُرائی خدا تعالیٰ اور اُسکے وجود تک
نہیں پہونچ سکتی۔ اگر کوئی مثلث شکل کی دہوپ ہوگی تو بیشک اُسکے تینوں زاویے ملکر دو قائموں
کے برابر ہونگے اور اُسکے دو ضلع ملکر تیسرے خط سے بڑے ہونگے۔ مگر ظاہر ہے اِن باتوں کو ذات
آفتاب اور اُسکے اصل نور تک رسائی نہیں۔ آفتاب اور اُسکے نور میں نہ زاویہ نہ اضلاع جو یہ احکام
اُسمیں جاری ہوں۔ علی القیاس[۱] مخلوقات کی تقطیعات کے احکام خدا تعالیٰ اور اُسکے وجود تک
نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ وہاں یہ تقطیعات نہ اُنکے لوازم جو بھلائی بُرائی کو جو اُسکے خواص میں سے
ہیں اُس تک رسائی ہو اور اس سبب سے اُسکا بُرا ہونا لازم آئے۔ یہ کہہ کر فرمایا آپ پنڈت صاحب کے
یہ جواب سُنائیں منشی صاحب نے فرمایا شاید وہ اِس مضمون پر اور کچھہ اعتراض کریں۔ مولویصاحب نے
فرمایا اسبات کا جواب پنڈت جی سے قیامت تک نہ آئیگا۔ یہ کہکر مولوی صاحب مع رفقا اپنے ڈیرے
کیطرف چلدیے اور منشی صاحب وغیرہ اپنی اپنی فرودگاہوں کیطرف روانہ ہوئے۔ مگر مولوی صاحب
ابھی خیمہ تک نہ پہونچے تھے جو پادری نولس صاحب اور ایک اور ولایتی پادری جھپٹ کر آئے اور مولوی
صاحب سے فرمانے لگے آج چار بجے کے بعد پادری اسکاٹ صاحب درس دینگے آپ بھی اُس درس میں
تشریف لائینگے۔ مولویصاحب نے فرمایا کل جو ہمنے آپ سے ایک گھنٹہ کی اجازت لیکر ایک گھنٹہ تک
اپنے مذہب کے فضائل اور اُسکی حقانیت خارج از جلسہ چار بجے کے بعد بیان کئے تھے تو اُسکی یہ

[۱] مخلوقات کی بھلائی بُرائی جو خالق تک نہیں پہونچتی اور دہوپ کی اشکال کے احکام جو آفتاب اور نور تک نہیں پہونچتے تو اصل وجہ اسکی یہ ہے کہ فاعل اور فعل کے احکام تو مفعول تک جاتے ہیں اور مفعول کے احکام فاعل کیطرف نہیں آتے ورنہ فاعل مفعول اور مفعول فاعل ہو جائے اور سب کارخانہ الٹ جائے یہی وجہ ہے کہ نور آفتاب سے پاخانہ اور پیشاب دشن ہو جاتے ہیں پر پاخانہ پیشاب سے نور آفتاب ناپاک نہیں ہوتا ۱۲ منہ

وجہ ہوئی تھی کہ آپ جلسہ میں اتنا وقت نہ دیتے تھے کہ کوئی دل کھولکر بیان فضائل کرسکے
جب ہمنے آج آپکو وقت میں وسعت دیدی تو پھر خارج از جلسہ تکلیف کرنے سے کیا فائدہ۔
پادری صاحب نے فرمایا اب تو آپ مہربانی کرکے اسبات کو قبول ہی کرلیں۔ مولوی صاحب نے
فرمایا بہت بہتر اگر پادری صاحب درس دینگے تو ہم بھی انشاء اللہ سنیں گے۔ پادریصاحب نے پوچھا آپ
اعتراض کرینگے مولویصاحب نے فرمایا اگر اعتراض کی اجازت ہوگی تو بیشک اعتراض کرینگے۔ پادری
صاحب نے فرمایا اعتراض کیلئے آپکو کتنا وقت چاہیئے۔ مولویصاحب نے فرمایا وقت کی تحدید کے کیا معنی
پہلے سے کون شخص اپنے مطالب کو ناپ تول کرلاتا ہے جو اُسکے موافق وقت مقرر کیا جائے وقت اگر مقرر
کیا جاتا ہے تو اس اندیشہ سے کیا جاتا ہے کہ مبادا کوئی شخص مفت مغززنی کرنے لگے اگر وقت محدود
نہ کیا جائیگا تو ایسا شخص بیوجہ مغز کھائیگا اور سوا اسکے کسی کو بولنے کی گنجایش نہ ملیگی۔ مگر آپ ہی
انصاف سے فرمائیں کہ میں کون سی بات لغو اور بیہودہ کہتا ہوں جو آپ میرے لئے وقت کو محدود
کرتے ہیں۔ پادری نولس صاحب نے فرمایا نہیں آپ تو بیہودہ باتیں نہیں کرتے۔ مولویصاحب نے فرمایا
پھر کسلیئے آپ میرے واسطے وقت کو محدود کئے دیتے ہیں۔ پادری نولس صاحب نے فرمایا اچھا آپکے
لئے وقت کی کچھ تحدید نہ سہی مگر دوسرے پادری صاحب نے کہا کہ فرمایا نہیں وقت کو ضرور محدود کرنا چاہیئے
نہیں تو ہر شخص یوں جتنا چاہیگا بیان کئے جائیگا۔ پادری نولس صاحب نے مولوی صاحب سے فرمایا
اچھا آپکے لئے بیس منٹ سہی اور اوروں کیلئے دس منٹ۔ اثناء راہ میں جب یہ فیصلہ ہوچکا تو پھر
سب صاحب اپنے اپنے ٹھکانے پر پہونچے اور قضاء حوائج اور اور ضروریات میں مشغول ہوئے
کھانا کھا ہی رہے تھے جو موتی میاں صاحب نے مولوی محمد قاسم صاحب سے فرمایا پادری اسکاٹ صاحب
آپکی تعریف کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ اس شخص کی باتیں بہت ٹھکانے کی ہیں۔ یہ مولوی
نہیں یہ صوفی مولوی ہے۔ مولوی سخاوت حسین صاحب سہوانی وکیل عدالت دیوانی بھی اُس
وقت اتفاق سے آنکلے وہ بھی فرمانے لگے کہ پادریصاحب مولوی محمد قاسم صاحب کو کہتے تھے کہ یہ
شخص صوفی مولوی ہے۔ ادھر اثناء جلسہ میں جب مولوی صاحب کھڑے ہوتے تھے تو تمام جلسہ میں

ایک سکتہ کا عالم ہوجاتا تھا اور جب مولوی صاحب کسی تقریر سے فارغ ہوتے تھے تو اکثر صاحبوں کی
زبان سے صدائے آفرین وتحسین سنائی دیتی تھی۔ غرض غلبہ جانب اہل اسلام ایسا نمایاں تھا کہ بجز
ناانصاف حاضران جلسہ میں سے کوئی شخص اسکا انکار نہیں کرسکتا۔ شاید یہ ثمرہ انکسار مولویصاحب
اور دعا اہل اسلام تھا۔ مولویصاحب نے جب سے شاہجہانپور کا ارادہ کیا تھا جس سے ملتے تھے یا جسکو
اہل دعا سمجھتے تھے استدعاء دعا کرتے تھے۔ خود یہ کہتے تھے کہ ہر چند ہماری نیت اور ہمارے
اعمال اسی قابل ہیں کہ ہم مجمع عام میں ذلیل وخوار ہوں مگر ہماری ذلت وخواری میں اس دین
برحق کی ذلت اور اس رسول پاک کی ذلت متصور ہے جو تمام عالم کا سردار اور تمام انبیاء کا قافلہ سالار
ہے اسلئے خود بھی یہی دعا کرتے تھے اور اوروں سے بھی دعا کراتے تھے کہ الٰہی ہماری وجہ سے اپنے
دین اور اپنے حبیب پاک شہ لولاک کو ذلیل وخوار مت کر۔ اپنے دین اور اپنے حبیب پاک
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت اور طفیل میں ہمکو عزت اور افتخار سے مشرف فرما۔ القصہ اہل اسلام کو
کھانے سے فارغ ہوکر نماز کا فکر ہوا۔ بارہ بجتے ہی وضو کرکرا نماز کی ٹھیرائی۔ نماز ظہر سے فارغ ہی
ہوئے تھے کہ جو ایک بج گیا اسلئے دوسرے جلسے کیلئے سب صاحب تیار ہوئے ✢

کیفیت جلسہ سوم بروز دوم

ایک بجتے ہی مناظر اور شائقان مناظرہ میدان مناظرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اہل اسلام بھی اوّل
سے بسم اللہ کرکے پہنچے۔ گفتگو شروع ہونے سے پہلے منشی پیارےلال صاحب نے یہ کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ
صرف سوال اخیر پر مباحثہ ہووے اور باقی سوالات پر بحث ملتوی کیجائے۔ وجہ اسکی کچھ معلوم نہوئی
مگر قرینہ اسبات کو مقتضی ہے کہ یہ بات فقط بنظر اتباع حضرات پادریان نصاریٰ تھی انہیں کی
طرف سے صبح کو یہ اصرار ہوا تھا کہ پہلے مسئلہ رابع میں گفتگو ہوجائے۔ سو اسوقت مسئلہ رابع کے
بدلے مسئلہ خامس کا لینا اس غرض سے ہوگا کہ بالکل راز نہ کھلجائے۔ غرض مسئلہ ثانی وثالث
تو مسئلہ اوّل علوم حقائق وفلسفہ سے متعلق تھا۔ پادریوں کو بوجہ ناواقفیت علوم مذکورہ انکی جواب

وہی مشکل نظر آئی۔ البتہ مسئلہ رابع و خامس فقط مذہب سے متعلق تھے اور اُنکے بیان کا اکثر اتفاق رہتا ہے اسلیئے صبح کو تو اسپر اصرار رہا کہ مسئلہ رابع میں گفتگو ہو اُسوقت تو اُنکے پاس نہ کوئی حجت اپنے اصرار کی نظر آئی اور نہ منشی پیارے لال سے سازی کی گنجایش ملی۔ اِس مہلت اور تنہائی میں جو گیارہ بجے سے لیکر ایک بجے تک تھی کیا عجب ہے کہ منشی صاحب سے اِسبات میں کہہ سُن لیا ہو۔ ورنہ صبح تک تو منشی صاحب کا بھی یہی قول تھا کہ ترتیب وار سوالات معلومہ میں گفتگو ہو۔ علاوہ بریں پہلے روز منشی صاحب کا بات بات میں پادریوں کی تائید کرنا جسکی وجہ سے اہل اسلام خصوصاً مولوی محمد طاہر صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب کو اُنکی شکایت کی نوبت آئی۔ اور وہ ارتباط دلی جو منشی صاحب کو پادریوں کے ساتھ مشہور ہے اور مسائل مذکورہ کا حقایق و فلسفہ سے متعلق ہونا اور پادریوں کا اِن علوم سے بے بہرہ ہونا زیادہ تر اِس خیال کو مؤید ہے کہ ہو نہو یہ پادری صاحبوں کی ہی چالاکی تھی۔ باانیہمہ پہلے روز پادری نولس صاحب کا باربار یہ کہنا ہمکو زیادہ فرصت نہیں آج اور کل ہی ٹھیر سکتے ہیں اور بھی اِس خیال کیلیئے قرینہ صادقہ ہے۔ اگرچہ اُسوقت مولوی صاحب نے کُھلم کُھلا یہ فرمایا کہ یہ بات ہمارے کہنے کی تھی باوجود افلاس و بے سروسامانی قرض دام لیکر اپنی ضرورتوں پر خاک ڈالکر ایک مسافت دُور دراز قطع کر کے یہانتک پہونچے۔ پھر اسپر یہ قول ہے کہ جبتک حسب دلخواہ فیصلہ نہ ہو جائیگا نہ جائینگے۔ اور آپ صاحب تو اِسی کام کے نوکر آنے جانے میں کوئی دقت نہیں۔ اسکے کیا معنے کہ آپ کو فرصت نہیں۔ یہ عذر کرتے تو ہم کرتے۔ مگر اسپر بھی پادری صاحبوں کو کچھ اثر نہ ہوا اور کیوں ہوتا قلت فرصت کا بہانہ کر کے مباحثہ کو مختصر کر دینا اِس سے آسان نظر آیا کہ اہل اسلام کے مقابلہ میں مغلوب ہوں اور کوئی عذر نہ ہو آخر اہل اِسلام کو کچھ پہلے دیکھے بھالے تھے اور کچھ فی الحال دیکھا۔ اور کیا عجب ہے کہ پنڈت صاحب اور منشی اندرمن صاحب کی بھی یہی رائے ہو منشی اندرمن صاحب کا اول سے آخر تک خاموش ہونا بلکہ باوجود اصرار مولوی محمد قاسم صاحب و ضرورت بیان مطالب پنڈت صاحب اُنکا یہ کہدینا مجھکو کبھی لکھ دینے کا اتفاق نہیں ہوا جو لوگ یہ کام کرتے رہتے ہیں اُنہیں سے یہ کام ہو سکتا ہے بجز اسکے اور کس بات پر محمول ہو سکتا ہے کہ علاوہ شور غلبہ

اہل اسلام بہ نسبت سال گذشتہ اس سال میں پہلے فدا اہل اسلام کی جودت طبعی اور خوش بیانی اور انکے
مطالب کی خوبی اور تسلسل معانی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے اور پنڈت صاحب بھی اگرچہ مولوی محمد قاسم
صاحب اور مولوی ابو المنصور صاحب کی حسن لیاقت کی داد دے چکے تھے مگر دنیا بامید قائم
یوں سمجھکر کہ شاید علوم حقایق اور علوم فلاسفہ کیطرف بوجہ فقدان اسباب توجہ علوم مذکورہ نہو اور اسوجہ سے
کہ کیا عجب ہے کہ سوالات مذکورہ کے جواب میں رہ جائیں اور ہم باین وجہ کہ خود ہی ان سوالات کے مجوز ہیں
انکے جوابونکو مستحضر کر رکھا ہی میدان مناظرہ میں اہل اسلام سی گوئے سبقت لیجائیں اوّل سینہ سپر ہو گئے
تھے مگر قدم عالم کے ابطال اور مادۂ عالم کے بیان کو اہل اسلام سی سنکر وہ بھی ٹھنڈی ہو گئے تھے۔
غرض ان وجوہ سے عجب نہیں کہ منشی اندرمن صاحب اور پنڈت دیانند صاحب بھی اسیطرف مشیر ہوئے ہوں
اور مشیر بھی نہوئے ہوں تو مانع بھی نہ ہوئے ہوں مگر ہرچہ باد اباد اسوقت بمجبوری اہل اسلام کو یہی ماننا پڑا
کہ اسوقت مسئلہ خامس ہی میں گفتگو ہو جائے لیکن اس ردّوکد میں آدھا گھنٹہ گذر گیا۔ اور چار بجنے
میں فقط اڑہائی گھنٹے باقی رہ گئے اسلئے یہ تجویز ٹھیری کہ یہ جلسہ ساڑہے چار بجے تک رہے۔ اہل اسلام نے
کہا خیر مضائقہ نہیں ہم آج نماز عصر آدھ گھنٹہ بعد ہی پڑھ لینگے۔ الغرض گفتگو شروع ہوئی۔ اوّل
پادری اسکاٹ صاحب کھڑے ہوئے اور سوال خامس یعنی اس سوال کے جواب میں کہ نجات کیسے
کہتے ہیں اور نجات کا کیا طریقہ ہی ایک تقریر طویل بیان کی جسکا خلاصہ یہ تھا کہ نجات گناہوں سے[۱]
بچنے کو کہتے ہیں مگر جب خدا تعالیٰ نے یہ دیکھا کہ تمام عالم گناہوں میں ڈوبا جاتا ہی تو خود مجسم ہو کر آیا
اور عیسیٰ مسیح کہلایا اور سب خلایق کا کفارہ بنا یعنی بار گناہان بنی آدم اپنے سر پر رکھ کر اُسکی سزا میں
مصلوب ہوا اور پھر نعوذ باللہ ملعون ہو کر تین دن جہنم میں رہا اسلئے سب کو لازم ہی کہ عیسیٰ مسیح کی الوہیت
پر ایمان لائیں اور دین عیسائی اختیار کریں۔ بدون اسکے نجات نہیں اور گناہوں سے بچاؤ نہیں ہو سکتا

[۱] نجات کو سب جانتے ہیں کہ مصائب سے بچ جانیکو کہتے ہیں۔ سو دینداروں کو جس مصیبت پر نظر ہوتی ہی وہ عذاب آخرت ہے اسلئے پادری صاحب کا یہ کہنا غلطی سے خالی نہیں مگر ہاں شاید مجازاً گناہوں سے بچنے کو نجات اسلئے کہدیا ہو کہ گناہوں کے ذریعہ جس سے عذاب سے نجات متصور ہی یا پادری صاحب کی طلاقت لسانی ہو مگر ہرچہ باد اباد اپنی یاد کے موافق تو پادری صاحب نے یہی فرمایا جو درج اوراق کیا گیا ۱۲ منہ

ایک روز کا ذکر ہے کہ میںنے یہ دُعا کی کہ اے عیسیٰ مسیح میری حال پر نظر عنایت فرما اسکے بعد میرے دل میں ایسا چین اور ٹھنڈک معلوم ہوئی کہ میں بیان نہیں کر سکتا بالکل اور باتوں سے دل پھر گیا۔ ایسے ہی ایکدن کا ذکر ہے کہ ایک شخص بڑا تندرست اور موٹا تھا جیسے ہمارے پنڈت جی[1]۔ اور وہ بڑا شریر تھا کبھی گرجا میں جاتا تھا نہ انجیل سُنتا تھا۔ مینے اُس سے کہا تو انجیل سُنا کر اُسنے کہا میں کیوں انجیل سنوں اور کیوں گرجا میں آؤں۔ آخر کو مینے اُسکو انجیل سُنائی۔ دوسرے روز اُسکے دل پر ایسا اثر ہوا کہ خود بخود وہ میرے پاس آیا اور سب بُرائیاں چھوڑ دیں اور صدق دل سے نیک و صالح ہو گیا اور تمام لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ فلاں شریر آدمی نیک آدمی ہو گیا۔ ادھر دیکھو جبتک عیسائیوں کی عملداری ہندوستان میں نہیں تھی ہندوستان میں کیسی کیسی غارتگری اور فتنہ فساد اور رہزنی ہوا کرتی تھی جب سے عیسائیوں کی عملداری ہوئی کسقدر امن و امان ہو گیا سونا اُچھالتے چلے جاؤ کوئی نہیں پوچھتا۔ دیکھو کتنی گناہوں میں کمی آگئی یہ ایک بڑی دلیل ہے حقیت عیسائی مذہب کی۔ بعد اسکے پنڈت دیانند سرستی صاحب کھڑے ہوئے اور اُنھوں نے بھی ایک تقریر طویل بیان فرمائی۔ خلاصہ اُس تقریر کا بعض اُن صاحبوں کے بیان کے موافق جو کسیقدر اُنکی زبان سمجھتے تھے یہ ہے کہ مکت یعنی نجات اسمیں ہے کہ آدمی گناہوں سے بچے اور نیک کام کرے۔ اور پادری صاحب نے جو یہ بیان کیا کہ خدا تعالیٰ مجسّم ہو کر آیا خلایق کے گناہوں کا کفارہ ہوا سراسر غلط ہے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ ذات پاک جسکی کوئی حد و نہایت نہیں وہ ایک مٹھی میں آجاوے[2] اور پادری صاحب جو اپنے مذہب کو گناہوں سے نجات کا سبب سمجھتے ہیں تو یہ صاف بے اصل بات ہے۔ حضرت موسیٰ کو صاف حکم ہوا تھا کہ مکان مقدس میں جوتا اُتار کر آؤ ہمارے پادری صاحب برعکس اُسکے جُوتے کی جگہ ٹوپی اُتارتے ہیں اور جوتا پہنے رہتے ہیں اور بہت باتیں برخلاف حکم خدا کے کرتے ہیں اور اُنکو روا سمجھتے ہیں پس ایسے مذہب میں نجات[3] کسیطرح نہیں ہو سکتی۔ بعد اسکے مولوی محمد قاسم صاحب کھڑے ہوئے اور یہ فرمایا کہ نجات قہر الٰہی اور عذاب الٰہی سے بچ جانے کو کہتے ہیں۔ مگر طریق حصول نجات بجز احتراز معصیت و گناہ اور کچھ نہیں۔ اسلیئے یہ بات گناہ کے دریافت کرنے پر موقوف ہے۔ پادری صاحب و پنڈت صاحب نے تو یہ فرمایا

[1] یہ اشارہ پنڈت دیانند سرستی کیطرف تھا وہ بہت لمبے چوڑے موٹے تازے آدمی تھے ۱۲ [2] مراد یہ تھی کہ مجسم و محدود نہیں ہو سکتا ۱۲
[3] یعنی نجات مبحوث عنہ یعنی جس نجات کا ذکر ہو رہا ہے ۱۲ منہ

کہ نجات گناہوں سے بچنے کو کہتے ہیں یا نجات گناہوں سے بچنے میں ہے مگر یہ نہ فرمایا کہ گناہ کسکو کہتے ہیں۔ گناہ کی دو چار مثالیں اور دو چار قسمیں تو مثل زنا و چوری وغیرہ بیان کیں پر اُسکی تعریف کچھ بیان نہ فرمائی۔ سو ہم اول تعریف گناہ بیان کرتے ہیں سُنیئے۔ گناہ خلاف مرضی آلہی کو کہتے ہیں اور طاعت موافق مرضی آلہی کا نام ہے۔ مگر کل ہم عرض کر چکے ہیں مرضی غیر مرضی تو ہماری بھی بے ہمارے بتلائے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ اگر سینہ سے سینہ ملا دیں بلکہ دل کو چیر کر دکھلا دیں تب بھی دل کی بات نظر نہ آئے جبتک زبان نہ ہلایئے یا اشارہ سے اطلاع نہ فرمایئے۔ تب تک مرضی غیر مرضی کی اطلاع دوسروں کو ممکن نہیں۔ باوجود کثافت اور اس ظہور کے کہ ہم جسمانی ہیں یہ حال ہے تو خداوند عالم تو کمال ہی درجہ لطیف ہے[1] اُسکے دل کی بات بے اُسکے تبلائے کسی کو کیونکر معلوم ہو سکتی ہے۔ عقل نارسا کو اتنی رسائی کہاں کہ اُسکے مافی الضمیر تک پہونچے۔ عقل سے ہو سکتا ہے تو اتنا ہی ہو سکتا ہے کہ کسی بات کا حسن و قبح کسیقدر معلوم کر لے سو یہ بات بھی اول تو ہر بات میں متصور نہیں جو عقل ہی کے بھروسے بیٹھ رہیئے۔ دوسرے خداوند کریم گو علیم و حکیم ہے اور اسوجہ سے یہ اعتقاد ہے کہ نہ وہ اچھی بات سے منع فرمائے نہ بُری بات کا ارشاد فرمائے۔ لیکن تاہم خدا ہے بندہ نہیں حاکم ہے محکوم نہیں عقل کا مطیع نہیں عقل اُسکی مطیع ہے[2] اسلیئے اگر بالفرض وہ زنا کو حلال اور طاعت کو حرام کر دے تو بیشک زنا طاعت اور طاعت گناہ ہو جائے بقول شخصے شعر ؎ گر طمع خواہد زمن سلطان دیں + خاک بر فرق قناعت بعد ازیں ۔ اسلیئے بندہ کے ذمہ یہ ضرور ہے کہ مرضی غیر مرضی کے دریافت کرنے میں اُسی کیطرف نظر رہے۔ اپنی عقل نارسا کو اس قصہ سے علیحدہ رکھے۔ مگر ہم عرض کر چکے ہیں کہ بادشاہانِ دُنیا اس تھوڑی سی نخوت پر اپنا مافی الضمیر ہر کسی سے کہتے نہیں پھرتے۔ خداوند عالم اس تکبر اور بے نیازی پر جسپر اُسکی خدائی خود دلالت کرتی ہے کیونکر اپنے دل کی بات ہر کسی سے کہتا پھریگا۔ یہاں تو مخلوقیت ہی لیکر

---

[1] یہی وجہ ہے کہ باوجود اس احاطہ کے کہ خداوند عالم تمام عالم کو محیط ہے آجتک کسی نے اُسکو نہ دیکھا حالانکہ احاطہ وجود سے جو اُسیکا فیض ہے یہ بات عیاں ہے کہ جیسے دھوپ اور آفتاب کے فیمابین کوئی حجاب نہیں ایسا ہی وجود عالم اور خداوند عالم کے بیچ میں کوئی پردہ نہیں اور وجود عالم اور عالم میں کوئی حجاب نہیں۔ کیونکہ سب میں پہلی صفت ہے اسپہ بھی نظر نہ آئی تو بجز لطافت اور کیا کہا جائے ۱۲ منہ [2] چنانچہ سبکی عقل اسبات پر شاہد ہے کہ خداوند عالم جو کچھ فرمائے اگرچہ وہ بات بُری ہی کیوں نہ ہو اُسکی ہی تعمیل کرنی چاہیے ۱۲ منہ

انسانیت تک سب باتوں میں اشتراک خدا اور مخلوقات میں تو کسی بات میں بھی اشتراک نہیں اس لئے
بادشاہان دنیا جیسے اپنے مافی الضمیر کی اطلاع اپنے مقربان خاص کے ذریعہ سے کرادیتے ہیں ایسے ہی بلکہ بطریق
اولی خداوند عالم بھی اپنا مافی الضمیر بذریعہ مقربان خاص اوروں کو سنادیگا انہیں مقربوں کو ہم لوگ انبیاء او
رسول کہتے ہیں اسلئے انبیاء علیہم السلام کے اتباع اور اقتدا ہی میں نجات منحصر ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں
انکی اطاعت خاص خدا کی اطاعت ہوگی اور انکی نافرمانی خاص خدا کی نافرمانی ہوگی۔ مگر جیسے
ہر زمانے میں ایک جدا حاکم ہوتا ہے پہلے زمانہ میں اگر لارڈ نارتھ بروک گورنر تھے تو آج لارڈ لٹن
ہیں۔ پہلے اور کلکٹر تھا اب اور کلکٹر ہو ایسے ہی ہر زمانے میں مناسب وقت ایک جدا ہی نبی ہوگا۔
جیسے آجکل لارڈ لٹن کے احکام کی تعمیل ضرور ہے لارڈ نارتھ بروک کے احکام کی تعمیل سے کام نہیں چلتا ایسے
ہی ہر زمانے میں اس زمانہ کے نبی کے احکام کی تعمیل ضرور ہے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام
کی بزرگی اور نبوت مسلم۔ انکا منکر ہمارے نزدیک ایسا ہی کافر ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
نبوت کا منکر ہمارے نزدیک کافر ہے۔ علی ہذا القیاس سری رامچندر اور سری کرشن کو بھی ہم کچھ نہیں کہہ
سکتے پر آجکل نجات کا سامان بجز اتباع نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کچھ نہیں
جیسے اس زمانہ میں باوجود تقرر گورنر حال لارڈ لٹن گورنر سابق لارڈ نارتھ بروک کے احکام کی تعمیل
پر اگر کوئی شخص اصرار کرے اور لارڈ لٹن کے احکام کی تعمیل سے انکار کرے تو باوجود اسکے کہ لارڈ نارتھ بروک
بھی سرکار ہی کیطرف سے گورنر تھا اسوقت میں یہ اصرار بیشک منجملہ بغاوت اور مقابلہ سرکاری سمجھا جائیگا
ایسے ہی اگر کوئی شخص[1] اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر اوروں کی اتباع کرے تو بیشک
اسکا یہ اصرار اور یہ انکار از قسم بغاوت خداوندی ہوگا جسکا حاصل کفر والحاد ہے۔ القصہ اسوقت
اتباع حضرت عیسےٰ وغیرہم ہرگز باعث نجات نہیں ہوسکتا۔ ہاں حضرت عیسیٰ وغیرہم اگر خاتم الانبیاء
ہوتے تو پھر بیشک نجات انہیں کے اتباع میں منحصر ہوجاتی۔ لیکن ایسا ہوتا تو بالضرور حضرت عیسیٰ سدباب
ضلالت کیلئے دعوی خاتمیت کرتے تاکہ آئندہ کو لوگ اوروں کے اتباع سے گمراہ نہو جائیں۔ انبیاء کا یہ کام نہیں

[1] علاوہ بریں بعد صدور احکام حاکم بالادست حکام ماتحت کی احکام کی اطاعت اور احکام حاکم بالادست کی نافرمانی
کی برائی ہر عاقل پر روشن ہے۔ فقط انصاف کی حاجت ہے ۱۲ منہ

کہ ایسے موقع میں چپکے بیٹھے رہیں اور آدمیوں کو گمراہ ہونے دیں۔ مگر سب جانتے ہیں سوائے حضرت رسول عربی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کسی نے دعوی خاتمیت نہیں کیا۔ اگر کرتے تو حضرت عیسیٰ کرتے۔ انہوں نے بجائے دعوی خاتمیت کے اُلٹا یہ فرمایا کہ میری بعد جہان کا سردار آنیوالا ہی جس سے بڑے انصاف[1] آشکارا ہی کہ وہ آنیوالا خاتم الانبیا رہوگا کیونکہ تمام انبیا اپنے اپنے رتبوں کے موافق امتیوں کے سردار اور اُنکے حاکم ہوتے ہیں اور کیوں نہ ہوں اُنکی اطاعت امتیوں کے ذمے ضرور ہوتی ہی اسلئے جو سب کا سردار ہوگا وہ سب کا خاتم ہوگا۔ کیونکہ وقت مرافعہ بادشاہ کا حکم سب میں آخر رہتا ہے یہ اُسکی خاتمیت حکومت خاص اسیوجہ سے ہی کہ وہ سب کا سردار ہوتا ہے۔ الغرض اتباع محمدی اب تمام عالم کے ذمہ لازم ہی۔ اُنہوں نے دعوی نبوت کے ساتھ دعوی خاتمیت بھی کیا اور وہ وہ معجزے دکھلائے کہ اوروں کے معجزے اُنکے سامنے کچھ نسبت نہیں رکھتے۔ چنانچہ بطور مشتے نمونہ از خروارے کل بعض معجزات کی تفصیل اور انبیاء دیگر کے معجزات پر اُنکی فوقیت اور فضیلت ہم بیان بھی کر چکے ہیں۔ پھر اب اُنکے اتباع میں کیا تامل ہی۔ خاصکر قرآن[2] شریف ایک ایسا عمدہ معجزہ ہی کہ کوئی اُسکے برابر نہیں[3] ہوسکتا۔ رہا ثبوت الوہیت یہ ایک ایسا عقیدہ مہمل ہی کہ کوئی عاقل تسلیم نہیں کر سکتا ہمکو عقلاء[4] فرنگ کی عقل پر بڑا افسوس آتا ہی

---

[1] انصاف کی قید اس غرض سے ہی کہ عیسائی بھی لاجواب ہوکر یہی فرمانے لگتے ہیں کہ جہان کے سردار سے مراد شیطان ہی مگر اہل عقل و انصاف سمجھتے ہیں کہ یہ کتنی ناانصافی ہی اگر یہی ہی تو ایسی ناانصافی اُن بشارتوں میں ہی ہوسکتی ہی جنکو بزعم خود نصاریٰ حضرت عیسیٰ کے حق میں سمجھتے ہیں ۱۲ منہ

[2] پہلے دن وعظ میں یہ بات ثابت ہو چکی ہی کہ جیسے علم عمل سے افضل ہی عمل اپنے ہونے میں علم کا تابع ہی ایسے ہی معجزات علمیہ معجزات عملیہ سے بڑھکر ہونگے اور چونکہ علم سے اوپر اور کوئی ایسی صفت نہیں کہ جیسے علم ارادہ قدرت وغیرہ صفات پر حاکم ہی یعنی بے اُسکے کوئی صفت کسی کام کی نہیر ایسے ہی علم پر وہ صفت حاکم ہو اسلئے علم خاتم صفات حاکمہ ہوگا اور اسلئے اِس صفت کا اعجاز اُس شخص کو دیا جائیگا جو خاتم الانبیا رہوگا یہی وجہ ہوئی کہ قرآن شریف سوا رسول عربی صلی اللہ علیہ آلہ وسلم اور کسی کو نہیں ملا ۱۲ منہ

[3] پھر اسپر یہ اور تماشہ ہی کہ یہ قیامت تک باقی رہنے والا ہی اور معجزوں میں یہ بات کہاں۔ مخالفوں کے اسکات کے لئے اس سے بڑھکر اور کون سی دلیل ہوگی اور ہر سند روایات اہل اسلام ایسی عمدہ کہ کسی مذہب ملت میں یہ بات نہیں۔ بالجملہ جو وجہ ثبوت اور انبیاء کے اتباع اپنی انبیاء کے نبوت کی نسبت دیسکتے ہیں اُس سے بہتر ہمسے لیتے جائیں روایتیں روایتوں سے عمدہ معجزات اور دلائل معجزات اور دلائل سے عمدہ ۱۲ منہ

[4] باوجود اس شہرت دانش کے ایسی غلطی کا باعث یہ ہی کہ ہمہ تن دنیا کی طرف مائل ہیں سو جیسے آنکھ سے اسیطرف دیکھ سکتے ہیں جسطرف آنکھ ہو اسیطرح عقل سے بھی اُسی چیز کو سمجھ سکتے ہیں جسطرف عقل متوجہ ہو۔ اور جب نصاریٰ ہمہ تن دنیا کیطرف متوجہ ہوئے تو امور آخرت میں یوں ہی ٹھوکریں کھائینگے۔ کوئی تثلیث کا قائل ہی کوئی توحید و تثلیث دونوں کا منکر ہی نرا ملحد ہی۔ آجکل انگلستان میں خصوصاً اور تمام یورپ میں عموماً الحاد کا زور شور ہی لاکھوں آدمی دہریہ ہیں اور ہوتے جاتے ہیں نہ خدا کو جانتے ہیں نہ حضرت عیسےٰ کو مانتے ہیں فقط ہوا و ہوس کے پابند ہیں نہ اُنکے نزدیک کوئی چیز حلال ہی نہ حرام نہ کوئی مذہب ہی نہ کوئی دین۔ ہاں پادری لوگ جنکی روٹی اسی پر ہو کہ دین عیسوی کی برائے نام منادی کرتے پھیں وہ کچھ زبانی جمع خرچ کرتے پھرتے ہیں ورنہ اُن میں بھی دین و ایمان کی کوئی بات نظر نہیں آتی اسپر مسلمانوں سے بھڑنا اور امید فلاح رکھنا تمام خیالی ہی بلکہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور ہیں ۱۲ منہ

کہ سب کے سب ایسی موٹی غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اوروں پر کیسے کیسے خفیف اعتراض کرتے ہیں جن کی جوابدہی کیلئے عقلا کو تامل کی حاجت نہیں اور اپنے آپ ایسے ایسے اعتراض سر پر لئے بیٹھے ہیں جنکا جواب قیامت تک نہیں آسکتا۔ افسوس ہزار افسوس وہ خداوندکریم جو ہر طرح سے مقدس اور ہر وجہ سے بے نیاز اور تمام عیوب اور جملہ نقصانوں سے پاک ہے اُسکو تو اس پیرایہ میں کہ عیسیٰ مسیح بنکر مجسم ہوا اور زمین پر آیا کھانے پینے بول و براز بھوک پیاس خوشی غم وغیرہ حوائج انسانی میں مبتلا ہوا کہیں سولی پر چڑھایا کہیں یہودیوں کے ہاتھوں میں مقید ہو کر ایلی ایلی پکارا کہیں معذب و ملعون ہو کر اَوروں کیلئے کفارہ بنا کیا کیا کچھ بُرا بھلا کہہ لیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص پادریصاحب کو چمار کہدے تو ابھی مرنے مارنے پر تیار ہو جائیں یہ کیسا ظلم صریح ہے کہ اپنے آپکو ذرا بھی کوئی بُرا کہدے تو پھر خیر نہیں اور خداوند قدوس کو جو چاہیں کہہ لیں۔ چمار اور پادریصاحب میں کیا فرق ہے وہ مخلوق اور خدا کا محتاج تو پادری صاحب بھی مخلوق خدا اور خدا کے محتاج۔ پادریصاحب انسان تو چمار بھی انسان۔ پادری صاحب کی دو آنکھیں تو چمار کی بھی دو آنکھیں۔ پادری صاحب کی ایک ناک اور دو کان تو اُسکی بھی ایک ناک اور دو کان اُنکے دو ہاتھ تو اُسکے بھی دو ہاتھ۔ چمار کو بھوک پیاس لگتی ہے تو پادریصاحب بھی اس بلا میں مبتلا ہیں چمار کو بول و براز کی حاجت ہے تو پادری صاحب کو بھی یہ حاجت ستاتی ہے۔ غرض ذاتی باتوں میں کچھ فرق نہیں دونوں یکساں ہیں۔ اگر فرق ہے تو دولت حشمت وغیرہ خارجی باتوں میں فرق ہے۔ اس اتحاد پر تو پادریصاحب کو یہ نخوت ہے کہ چمار کہدیجے تو تھامے نہ تھمیں۔ اور خدا تعالیٰ کو بشر کیساتھ کچھ اتحاد نہیں۔ بشر کو خدا کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں کچھ نسبت نہیں۔ اُسکا وجود خانہ زاد بشر کا وجود اُسی سے مستعار۔ وہ خدا یہ بندہ۔ اس پر خدا کو بشر کہے جائیں اور ہرگز نہ شرمائیں۔ افسوس کیسا ظلم صریح کرتے ہیں اور ہرگز نہیں ڈرتے۔ عاقلان فرنگ کو کیا ہو گیا۔ اجتماع النقیضین اور اجتماع الضدین کا بطلان ایسا نہیں جو کوئی نہ جانے پھر اسپر انسانیت اور الوہیت کے اجتماع کی تسلیم میں کچھ تامل نہیں یہ تو ایسا قصہ ہے جیسا یوں کہیئے کہ ایک شے نور بھی ہے ظلمت بھی ہے۔ گرمی بھی ہے سردی بھی ہے موت بھی ہے حیات بھی ہے وجود بھی ہے عدم بھی ہے کیونکہ انسانیت کو مخلوقیت اور احتیاج لازم اور الوہیت کو استغنا

اور خالقیت ضرور ہی۔ یہ دونوں ضدین مجتمع ہوں[۱] تو کیونکر ہوں مگر اسپر بھی اپنی وہی مُرغی کی ایک ٹانگ چلی جاتی ہی۔ اگر انصاف سے دیکھئے تو شیطان فرعون و نمرود و شداد وغیرہ کی نسبت کسی بیوقوف کو گمان الوہیت ہو تو اتنا بعید از عقل نہیں جتنا حضرت عیسےٰ اور دیگر انبیار کرام یا اولیا عظام کی نسبت یہ خیال خام دور از عقل ہی۔ کیونکہ حضرت عیسےٰ وغیرہ انبیا و اولیا تو برابر ساری عمر اپنی عبودیت اور عاجزی کا اقرار کرتے رہے اور سجدہ وغیرہ اعمال بندگی جنسے انکار الوہیت مثل آفتاب نمایاں ہی بجالاتے رہی۔ ہاں شیطان فرعون نمرود وغیرہ البتہ مدّعی الوہیت ہوئے اور کبھی وہ کام نہ کیا کہ جس سی بندگی کی بُو بھی آئے انکو اگر کوئی نادان خدا سمجھے تو خیر سمجھے پر اُس شخص کو خدا سمجھنا جو خود مقر عبودیت ہو طرفہ ماجرا ہی۔ حق یہ ہے کہ آجکل کے عیسائی حقیقت میں عیسائی نہیں۔ واقعی عیسائی اگر ہیں تو محمدی ہیں۔ حضرت عیسیٰ کے جو عقیدے تھے وہ محمدیوں کے عقیدے ہیں۔ وہ بھی خدا کو وحدہٗ لاشریک لہٗ کہتے رہے اور کبھی تثلیث کا دعوے نہ کیا۔ محمدی بھی یہی کہتے ہیں حضرت عیسیٰ بھی اپنے آپکو بندہ سمجھتے رہے چنانچہ انجیل موجود ہی۔ محمدی بھی اُن کو بندہ ہی سمجھتے ہیں۔ علاوہ بریں اُنکی شان میں ہرگز کسی قسم کی گستاخی نہیں کرتے۔ نہ اُنکی نسبت ملعون ہونے کے خیال کو دل میں جگہ دیتے ہیں اور نہ احتمال عذاب کو اُنکی نسبت ممکن الوقوع سمجھتے ہیں۔ بلکہ جو شخص حضرت عیسیٰ کی نسبت اس قسم کے عقیدے رکھے اُسکو دشمن دین و ایمان اور بے دین اور بے ایمان سمجھتے ہیں اور حضرات نصرانیوں کا یہ حال باوجود مخالفت اعتقاد یہ سب کچھ گستاخیاں بھی کیے جاتے ہیں اور پھر اپنے آپکو عیسائی کہے جاتے ہیں کبھی یہ ترقی کہ خدا بنادیا کبھی یہ تنزل کہ عذاب پہنچادیا۔ اب پادری صاحب انصاف فرمائیں کہ حضرت عیسیٰ کا اتباع ہم کرتے ہیں یا وہ کرتے ہیں باقی رہا پادری صاحب کا یہ فرمانا کہ عیسائی عملداری سی پہلے ہندوستان میں یہ لوٹ مار تھی کہ چوروں قزاقوں سے بچنا ایک امر محال تھا اور جب سے عیسائی عملداری آئی تب سے یہ امن و امان ہی کہ سونا اچھالتے چلے جاؤ کوئی شخص یہ نہیں پوچھتا کہ تم کون ہو اِس ارشاد سی مجھ کو کمال درجہ حیرت ہی۔ اگر یہ بات اور کوئی صاحب فرماتے تو فرماتے پادری اسکاٹ صاحب کی معقول دانی پر یہ استدلال کمال تعجب انگیز ہی

[۱] اِس عقیدہ کا بطلان تو ایسا کچھ ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا ہوگا۔ گرمی سردی وغیرہ میں اتنا تو تضاد ہی کہ دونوں ممکن اور مخلوق ہیں یہاں تو یہ بھی نہیں ۱۲ منہ

میں نے تو جب سے یہ سُنا تھا کہ پادریصاحب معقول میں ماہر ہیں صلہ تصنیف رسالہ منطق میں سرکار سے پانسو روپیہ انعام پاچکے ہیں یوں منتظر تھا کہ دیکھئے کیا کچھ ہونگے مگر اُنہوں نے یہ ایسی بات کہی کہ کوئی معقول دان ایسی بات نہ کہے۔ کیا پادریصاحب نے کتب منطق میں یہ نہیں دیکھا کہ استدلال انّی ناتمام ہوتا ہی وضع تالی منتج وضع مقدم نہیں ہوتی۔ آثار سے موثر پر استدلال نہیں ہوسکتا۔ پتھر گو گرم پائیں تو یہ نہیں یہ کہہ سکتے کہ آگ ہی سے گرم ہوا ہی یہ بھی تو احتمال ہی کہ آفتاب سے گرم ہوگیا ہو الغرض اثر کیجانب عموم کا احتمال ہوتا ہے اسلئے اُسکے وسیلہ سے کسی خاص مُوثر پر استدلال نہیں ہوسکتا پھر پادریصاحب نے یہ کیونکر کہدیا کہ یہ امن و امان عیسائی عملداری ہی کی برکت ہی نہیں اس امن و امان کی علت بجز پاس ملک آرزوئے ترقی تجارت اور کچھ نہیں۔ مذہب سے اسبات کو کچھ علاقہ نہیں۔ ادہر ہم دعوے کرتے ہیں کہ ہمارے خلفاء کے زمانہ میں وہ امن و امان تھا کہ کبھی نہ ہوا نہ ہو۔ اگر یہی بات دلیل حقانیت مذہب ہے تو دین محمدی بدرجہ اولی احق ہوگا۔ علاوہ بریں کچھ گناہ اس چوری اور قزاقی ہی میں منحصر نہیں جو یہ خیال ہو کہ ببرکت دین عیسوی گناہوں سے نجات میسر آگئی انجیل و توراۃ میں خنزیر کی حرمت موجود ہی ہم دعوے کرتے ہیں کہ اہل اسلام میں سے کوئی شخص سور کا گوشت نہیں کھاتا جو اس جرم کا الزام اُسکے سر آوے اور نصرانیوں میں شاید ایسا کوئی ہو جو اس گناہ سے بچا ہوا ہو۔ توراۃ انجیل میں شراب کی ممانعت موجود ہی اور ہم دعوی کرتے ہیں کہ اہل اسلام میں بہت کم اس بلا میں مبتلا ہونگے اور نصرانیوں میں بہت کم آدمی اس بلا سے بچے ہوئے ہوں گے علی ہذا القیاس سرکار کی عملداری میں زنا کی جسقدر کثرت ہوئی ہی اسقدر کبھی نہ ہوئی ہوگی جسپر خاص لندن اور انگلستان کا حال تو پوچھئے ہی نہیں۔ کیا پادریصاحب کو لندن کے اخباروں کی ابتک خبر نہیں کہ وہ کیا لکھتے ہیں ہر روز کئی سو بچے ولدالزنا پیدا ہوتے ہیں اور صبح کو راستوں پر پڑے ہوئے ملتے ہیں یہ باتیں گناہ نہیں تو اور کیا ہے علی ہذا القیاس اور بہت سی ایسی باتیں ہیں جو از روئے توراۃ و انجیل ممنوع ہیں اور نصرانیوں میں مروج ہیں پھر کیونکر کہدیجے کہ ببرکت دین عیسوی ہندوستان سے چوری قزاقی اسلئے موقوف ہوگئی کہ اس دین کا اثر یہی ہو کہ گناہوں سے آدمی محترز ہوجائے۔ اس تقریر میں وقت مقرر ختم ہوگیا۔

۱؎ اور کیونکر نہ ہو عورتوں کو فعل مختاری کا پروانہ۔ زنا پر کوئی سزا نہیں اور سب عملداریوں میں اس جرم کی روک ٹوک ہی ہی پہنچ

اسلئے مولویصاحب تو بیٹھے اور پادری محی الدین پشاوری کھڑے ہوئے اول تو مولوی صاحب کیطرف مخاطب ہوکر یہ فرمایا کہ آپنے کل بھی بعض کلمات سخت کہے تھے اور آج بھی آپنے بعض کلمات سخت بیان کئے مطلب یہ تھا کہ پہلے دن تو مولویصاحب نے الحاقات انجیل کو وقت اثبات تحریف بول و براز سے تشبیہ دی اور اسوقت پادری صاحب کے چمارسے تشبیہ دیگئی اسپر غالباً مولوی صاحب نے اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے یہ فرمایا کہ گستاخی نہیں مثال فرضی میں گستاخی نہیں ہوتی - خیر یہ تو اوپر کی بات تھی پادری صاحب نے شکایت گستاخی کے بعد بلکہ اس گستاخی کی پاداش میں کسیقدر تیز و تند یعنی چین بجبیں ہوکر اور یہ فرمایا کہ ہم تمہارے سن و سال کا لحاظ کرتے ہیں یہ فرمایا کہ آپ جو حضرت عیسیٰ کی الوہیت پر اعتراض کرتے ہیں دیکھئے تمہاری ہی کتاب روضۃ الاحباب میں جسکے مصنف کا نام ریاض الدین دہی ہے اور وہ کتاب اہل اسلام کے نزدیک معتبر ہے حضرت عیسیٰ کی الوہیت کو خوب ثابت کیا ہے اور یہ کہکر ایک عبارت عربی بیسرو پا نہ الفاظ صحیح نہ اعراب ٹھیک کلمات میں ربط نام نہ حدیث بیان کی ہر چند وہ عبارت بجنسہ یاد نہیں رہی پر اتنی بات یاد ہے کہ اول انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ عین کے پیش اور رے کی تنوین کیساتھ کہ کے واقفان عربیہ کو ہنسا کر ایک عبارت پڑھی جسکا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے کہا کہ مینے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ سوائے خدا کسی کو سجدہ نہ کرنا چاہئے مگر حضرت آدم اور حضرت عیسیٰ کو۔ لوگوں نے پوچھا کہ اسکی کیا وجہ آپنے فرمایا حضرت آدم میں شان الوہیت تھی یہی وجہ تھی کہ فرشتوں نے انکو سجدہ کیا اور حضرت عیسیٰ کی شان میں اللہ جلشانہ فرماتا ہے ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ میں بھی شان الوہیت ہے اسلئے انکو سجدہ کرنا چاہئے اور اگر میں انکے سامنے ہوتا تو انکو سجدہ کرتا - غرض اس قسم کے کلام بے سر و پا بیان فرماکے یہ فرمایا کہ ہم حضرت عیسیٰ کو انسان کامل اور معبود کامل دونوں کہتے ہیں اور ان میں دونوں وصف انسانیت اور الوہیت پورے پورے ہمارے عقیدہ کے موافق موجود ہیں اوصاف قدوسیت اور بے نیازی تو بجہت الوہیت کے ان میں موجود تھی اور حاجت بول و براز بھوک پیاس وغیرہ منافیات قدوسیت وغیرہ بجہت انسانیت سو انمیں موجود تھی یہ اوصاف منافیت قدوسیت

۵ لہ علاوہ بریں غرض اصلی تو مولویصاحب کی یہ تھی کہ اس قسم کی باتیں موجب ہیچ ہوتی ہیں اسلیئے خدا کی نسبت بدرجہ اولی ان باتوں کا کہنا ممنوع ہوگا سو پادریصاحب نے فرضی طور پر کہنے کی جب شکایت کی تو یوں کہو کہ اعتراض مذکور کو تسلیم کرلیا اور الزام مذکور اپنے سر پر لے لیا ۱۲ منہ

اُنمیں جہت انسانیت سے تھے نہ جہت اُلوہیت سے اور حاضران جلسہ میں سے ایک صاحب کا یہ بھی بیان ہے کہ یہ بات انہیں پادری صاحب نے اسوقت فرمائی تھی کہ حضرت عیسیٰ کی الوہیت کی اُنکی مثال ہے جیسے لوہے کو آگ میں گرم کریجیئے تو وہ بھی ایک آگ ہی بنجاتا ہے مگر راقم الحروف کو یہ یاد نہیں آتا کہ یہ بات کس نے کہی تھی مگر ہرچہ بادا باد پادری صاحب تو زور مار کر بیٹھے اور مولوی محمد قاسم صاحب کھڑے ہوئے اوّل تو یہ فرمایا کہ وہ ریاض الدین رومی بھی ایسے ہی ہونگے جیسے آپ محی الدین پشاوری ہیں آپکی شکل وصورت بھی مسلمانوں ہی کی سی ہے نیچی ڈاڑھی کُرتہ پہنے ہوئے ہیں نام بھی مسلمانوں ہی کا سا ہے آپکو بھی کوئی دیکھے اور نام سُنے تو مسلمان ہی سمجھے وہ بھی ایسے ہی ہونگے ۔ یہ بات پادری صاحب پر ایسی پھبی کہ دیکھنے والے ہی جانتے ہیں۔ اُسوقت پادری صاحب کو خلاف توقع شرمانا ہی پڑا۔ پھر مولوی صاحب نے یہ فرمایا کہ اہل اسلام اس کتاب اور اس مصنف کو جانتے بھی نہیں۔ قرآن شریف کی آیت یا صحاح ستہ وغیرہ کی روایت ہوتی تو البتہ موقع بھی تھا۔ یہ کتنی ناانصافی ہے کہ اپنی طرف سے ایک روایت بنالی اور اُسپر اہل اسلام سے مقابلہ کو آموجود ہوئے۔ اگر یہی انداز ہے کہ کسی کے بزرگونکے نام کوئی عبارت یا روایت لگالی اور مقابلہ کو آپہونچے تو پھر اہل اسلام کو بھی بہت گنجایش ہے۔ یہاں آکر اِس روایت کو پادری صاحب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کیطرف منسوب کرکے حضرت عیسیٰ کی الوہیت ثابت کرتے ہیں تو ہم بدستاویز انجیل برنباہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت ثابت کرینگے انجیل برنباہ میں صاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت موجود ہے۔ غرض اگر روایت مشارُالیہ سے حضرت عیسیٰ کی الوہیت ثابت ہوتی ہے تو انجیل برنباہ کی آیت بشارت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت ثابت ہوتی ہے پھر کیا انصاف ہے کہ ہمپر تو ایسی روایات سے الزام لگانے کو تیار ہیں اور آپ انجیل برنباہ[1] کی آیت کو نہ مانیں۔ علاوہ بریں یہ عبارت ہی خود اِسبات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ روایت جعلی ہے۔ نہ الفاظ صحیح ہیں نہ اور کوئی بات ٹھکانے کی ہے۔ اہل زبان کا یہ کام نہیں کہ ایسی مہمل عبارت ناکارہ منہ سے نکالیں اِسکے موضوع ہونے میں کچھ شک و شبہ نہیں۔ ہمکو الزام دینا منظور ہے تو ہماری کُتب معتبرہ سے دینا چاہیئے۔

[1] منجملہ حواریان عیسیٰ ایک حضرت برنباہ بھی ہیں ایک انجیل اُنکی طرف بھی منسوب ہے جیسے اناجیل مشہورہ حضرت یوحنا وغیرہم کیطرف منسوب ہے اسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت موجود ہے۔ نصرانی اسی قسم کی باتوں کے لحاظ سے اُسکو جعلی بتلاتے ہیں حالانکہ قدیمی انجیل اور مشہور کتاب ہے اور روضۃ الانبیا کو تو اہل اسلام میں سے کوئی جانتا بھی نہیں بلکہ اس روز سے پہلے کبھی اہل اسلام کے کان میں یہ روایت پڑی ہی نہیں ۱۲ منہ

قرآن شریف کی آیت لائیے یا صحاح ستہ وغیرہ کتب معتبرہ مشہورہ احادیث کی روایت دکھلائیے ہماری تمام کتب مشہورہ میں سجدۂ غیر کی ممانعت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بندہ ہونیکا دعویٰ ایسا کھلا کھلا بکثرت لکھا ہی کہ سب جانتے ہیں کوئی مذہب ایسا نہیں کہ اہل اسلام کے اس اعتقاد اور انکی تمام کتب کی شہادت اس اعتقاد پر نہ جانتا ہو۔ غرض قرآن شریف اور تمام کتب احادیث جو ماخذ اعتقاد اہل اسلام ہیں حضرت عیسیٰ کے بندے ہونے اور خدا نہونے سے مالامال ہیں پھر کس منہ سے پادری صاحب نے اس روایت کو پیش کیا۔ اپنے گھر کی خبر نہیں کہ انجیل برنباہ کیا کہتی ہی۔ باقی یہ جو پادری صاحب نے ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ مجمع الجہتین ہیں۔ انسان کامل بھی ہیں اور معبود کامل بھی جہت انسانیت سے اکل و شرب مرض موت بول و براز انکو لاحق تھے اور بے نیازی و قدوسیت وغیرہ جہت الوہیت سے انکو حاصل تھی سو یہ ایک ایسی مہمل بات ہی کہ کوئی عاقل اسکو قبول نہیں کرسکتا جیسے باپ بیٹا اور بیٹا باپ نہیں ہوسکتا ایسے ہی بندہ خدا اور خدا بندہ عابد معبود اور معبود عابد نہیں ہوسکتا وہ محال ہی تو یہ بھی ہے اور اگر بالفرض محال یہ احتمال تسلیم بھی کیا جائے۔ خدائی اور بندگی دونوں حضرت عیسیٰ میں مجتمع مان لیجاویں تو بایں لحاظ کہ اسصورت میں الہ اور انسان ایک ذات واحد عیسوی ہوگی۔ اور یہ دونوں حسب زعم نصاریٰ انمیں حقیقی ہونگے تو انسانیت کے عیوب اور نقصانات سب کے سب جہت الوہیت کو لاحق ہونگے اور ایسی صورت ہوجائیگی جیسے کرتا انگرکھہ وغیرہ کرتہ انگرکھہ وغیرہ بھی ہوتا ہے اور کپڑا بھی ہوتا ہے انگرکھہ وغیرہ اگر ناپاک ہوجائے تو کپڑا بھی ناپاک ہوجاتا ہی اور کپڑا اگر ناپاک ہوجائے تو انگرکھہ وغیرہ بھی ناپاک ہوجاتا ہی غرض اگر ایک ناپاک ہوجاتا ہے تو دوسرا بھی ساتھ ہی ناپاک ہوجاتا ہی وہ ہرگز پاک نہیں رہسکتا اگر اسیطرح بالفرض و التقدیر الوہیت اور انسانیت ذات عیسوی میں مجتمع ہوجائیں تو عیوب انسانیت خوامخواہ الوہیت کو لاحق ہونگے وہ ان عیوب سے منزہ نہیں رہسکتے یہانتک تو ان باتوں کے جواب ہیں جنکو ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ پادری محی الدین[1] نے بیان کی تھیں رہی وہ بات جسمیں ہمکو شک ہے کہ قائل اسکا کون تھا یعنی یہ بات کہ حضرت

[1] یہ آخری ذکر پادریصاحب کا ہی اسلیئے انکی آخری کیفیت بھی عرض کرنی لازم ہی اسوقت تک تو پادریصاحب پادری تھے مگر انجام کار توفیق یزدانی رفیق ہوئی تقریباً ایک سال کے بعد۔ اس واقعہ کے پادری صاحب مسلمان ہوگئے جسکے باعث اب انکو محی الدین کہنا چاہیئے ۱۲ منہ

عیسیٰؑ کی الوہیت کی صورت ایسی ہی جیسے لوہے کو آگ میں تھوڑی دیر ڈالے رکھتے ہیں تو وہ بھی آگ بنجاتا ہی
اِسبات کے جواب میں خواہ پادری محی الدین کی کہی ہوئی ہو خواہ کسی اَور کی غالباً مولوی صاحب نے یہ فرمایا
تھا کہ اِس مثال سے صاف یہ بات عیان ہی کہ خدا ایک سے متعدد نہیں اور حضرت عیسیٰ بندہ ہیں
خدا نہیں وجہ اسکی یہ ہی کہ لوہا دیکھنے میں ظاہر پرستوں کو ہمرنگ آتش نظر آتا ہی پر حقیقت میں اُسوقت بھی
لوہا لوہا ہی رہتا ہی آگ نہیں ہوجاتا ہی۔ فقط پرتوہ آتش سے اُسکا رنگ بدلجاتا ہی۔ یہی وجہ ہی کہ آگ سے
علیحدہ کر لیجئے تو پھر وہ لوہا اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہی۔ اگر واقعی آگ ہوجایا کرتا اور انگاروں کیطرح ساتھ
رہتا یا علیحدہ ہوتا تو دونوں حالتوں میں یکسان رہتا اور شاید اسی اعتراض کیوقت بمجرد سُننے کے مولوی
صاحب نے کرسی سے کھڑے ہو کر یہ کہدیا تھا کہ دیکھئے پادری صاحب سوقت تثلیث سے انکار کرتے ہیں
اور میں جانتا ہوں کہ وجہ اسکی یہی تھی جو اوپر مذکور ہوئی۔ اُسکے بعد مولوی صاحب بیٹھے پر کسی پادری
صاحب کو یہ حوصلہ نہ ہوا کہ اِن اعتراضوں کا جواب دیتا یا اُن جوابوں پر نقض کرتا جو مولوی صاحب سے
سُنے تھے۔ ہاں اتنا ہوا کہ پادری نولس صاحب کھڑے ہوئے اور دیر تک چلا چلا کر اپنے مذہب کے
فضائل بے دلیل بیان کرتے رہے یا وہی پہلے مضمون کا اعادہ کرتے رہے بلکہ الفاظ کا پھیر تھا ورنہ
اسی تقریر اوّل کا اعادہ تھا کوئی نئی بات بھی نہ کہی چہ جائیکہ اعتراضوں کا جواب دیتے۔ غرض پھر کوئی ایسی
بات کسی نے نہ کہی جو سُننے سُنانے کے قابل ہو بجز سمع خراشی اور کچھ نہ تھا۔ البتہ قابل بیان دو باتیں اور
تھیں جنکا وقت اور موقع یاد نہیں فقط وہ باتیں یاد رہ گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی موقع میں پادریوں کی
طرف سے صبح کے جلسہ میں یا تیسرے پہر کے جلسہ میں کسی نصرانی نے اتفاقاً شیطان کا ذکر کیا تھا۔
اور غالباً غرض یہ ہوگی کہ گناہ کا باعث شیطان ہی اسپر پنڈت صاحب نے یہ فرمایا تھا کہ دنیا کے
بادشاہ بھی تو اتنا انتظام کر لیتے ہیں کہ اگر اُن کے ملک میں کوئی لٹیرا یا قزاق کھڑا ہوجاتا ہے تو
اُسکو گرفتار کر لیتے ہیں اور قتل کر دیتے ہیں۔ اور یہ تو کوئی بادشاہ بھی نہیں کرتا کہ اپنے ملک میں
ڈاکو اور قزاق اپنی طرف سے چھوڑ دے کیا خدا کی طرف یہ گمان ہوسکتا ہی کہ وہ اپنے مُلک میں دین کا
قزاق چھوڑ دے اور اُسکو اسی کام پر مقرر کر دے۔ اُسکو تو یہ مناسب تھا کہ بالفرض والتقدیر ایسا ہوتا بھی تو

اُسکو گرفتار کرالیتا نہ یہ کہ اُلٹا اپنی طرف سے اِس کام کے لئے اُسکو مقرر کرتا اُسکے بعد پادری نولس صاحب نے یہ فرمایا تھا کہ اگر پنڈت جی شیطان کا انکار کرتے ہیں تو یوں کہو کہ یہ سب بُرائی خدا تعالےٰ کرتا ہے کیونکہ اس صورت میں کم سے کم اتنا تو کہنا پڑیگا کہ ایسے بُرے آدمی خدا نے پیدا کئے جنسے بُرے کام ظہور میں آئے غرض اگر شیطان کو نہ مانا جائے اور بُرائی کو آدمیوں کے حق میں ذاتی کہی جائے تو یہ بُرائی دُور تک پہنچیگی کیونکہ اسوقت بُرائیوں کا خالق خدا کو کہنا پڑیگا۔ دوسرے ایک اور بات بھی ایسی ہی ہو کہ اُسکا موقع یاد نہ رہا جسکی وجہ سے اُسکے لکھنے کا اتفاق نہ ہوا اور حقیقت میں لکھنے کے قابل ہو وہ یہ ہو کہ پادریوں میں سے کسی نے کسی بات کے بیان میں کہیں جنت کا ذکر کر دیا تھا اُسپر پنڈت صاحب نے یہ فرمایا تھا کوئی تبلائے تو جنت کہاں ہو اسپر مولوی محمد قاسم صاحب نے اپنی جاے پر بیٹھے ہوے یہ فرمایا کہ پنڈت صاحب ہمکو اگر وقت تقریر دیا جائیگا تو ہم انشاءاللہ آپکو تبلادینگے مگر اُسکے بعد پھر وقت ہی نہ ملا بلکہ پادری نولس صاحب کے خاموش ہونیکے بعد جو مولوی محمد قاسم صاحب کھڑے ہوے تو پادریوں نے ایسی ہٹ دھرمی کی جسکا کوئی ٹھکانا نہیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہو کہ ہنوز چار بجنے میں بھی کسیقدر دیر تھی اور بایں وجہ کہ شروع جلسہ میں آدھ گھنٹہ اس تکرار میں ضائع ہوگیا تھا کہ اسوقت کون سے سوال پر بحث ہونی چاہئے یہ ٹھیر گئی تھی کہ آدھ گھنٹہ چار کے بعد بڑھا دیا جاے اور اہل اسلام نے بھی کہہ لیا تھا کہ خیر آج ہم ساڑھے چار بجے ہی نماز پڑھ لینگے الغرض ابھی آدھے گھنٹے کی اور گنجایش تھی مگر اسپر بھی پادری لوگ کھڑے ہوگئے اور یہ کہا جلسہ کا وقت ختم ہوگیا۔ مولوی صاحب اور موتی میاں صاحب اور نیز اور اہل اسلام نے ہر چند اصرار کیا کہ زیادہ نہیں دو چار منٹ جو چار بجنے میں باقی ہیں اُنہیں میں ہم کچھ کہہ لینگے مگر پادری صاحبوں نے ایک نہ سُنی۔ اہل اسلام کا غلبہ یوں تو تقریرات گذشتہ سے ثابت ہی تھا پر یہ انکار و اصرار اُن کے غلبہ اور عیسائیوں کی شکست کیلئے ایسا ہو گیا جیسا غنیم کا میدان سے بھاگ جانا ہو اگر تا ہم اسپر طرہ یہ ہو کہ اُس سراسیمگی اور پریشانی میں جو رنج پنہانی کے باعث پادریوں کو لاحق تھی پادری لوگ اپنی بعض کتابیں بھی وہیں چھوڑ گئے اُنکے اُٹھانے کے بھی ہوش نہ رہی القصہ اُسوقت پادریوں کو بجز اس بات کے اور کوئی بات اپنی دامن گزاری کیلئے سمجھ میں نہ آئی۔ اور پادریوں کا

یہ کھڑا ہو جاتا اُسوقت ہندوں کیلئے غالباً غنیمت معلوم ہوا وہ بھی اُنکے ساتھ ہولئے پر یہ بات عام وخاص نگاہوں میں اہل اسلام کے غلبہ پرا ور بھی دلیل کامل ہو گئی۔ مگر جب مولوی صاحب نے یہ دیکھا کہ حضرات عیسائی صاحبان نہیں مانتے تو مولویصاحب نے یہ فرمایا کہ اچھا آپ سنیئے ہم اپنی طرف سے بیان کئے دیتے ہیں۔ مگر پادریصاحبوں نے بغرض برہمی جلسہ شور کرنا شروع کر دیا۔ ایک طرف تو ایک صاحب انجیل لیکر کھڑے ہو گئے اور ایکطرف کچھ انکار اور صرار کا شور تھا اسلئے اسوقت تو مولویصاحب بایں خیال کہ ناحق نماز عصر میں دیر ہوتی ہی نماز کیلئے تشریف لیگئے اور پھر نماز سے فارغ ہوتے ہی اُسی موقع پر پہونچکر اُس چوکی پر جسپر گفتگو کرنیوالے کھڑے ہوا کرتے تھے کھڑے ہوئے یہ دیکھتے ہی اطراف وجوانب سے لوگ آ پہنچے۔ مولویصاحب نے اوّل یہ فرمایا کہ ہمنے ہر چند چاہا کہ پادری صاحب ہماری ایک دو بات سن لیں پر چونکہ اہل اسلام سے عہدہ برائی کی امید نظر نہ آئی تو انجام کار یہ کام کیا اور بعد اسکے اس قسم کی باتیں فرمائیں کہ اہل جلسہ کو یہ بات بخوبی معلوم ہو گئی کہ اہل اسلام کے اعتراضوں کا کسی نے جواب دیا اور اہل اسلام نے سب کے اعتراضوں کا جواب ایسا دیا کہ پھر کسی کو جواب آیا اور پھر کچھ ایسا کہا کہ اب بروے انصاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت ثابت ہو گئی اور پھر کسی شخص کو بروے انصاف کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ اور اسی ضمن میں پادریصاحب کی اُس تقریر کا جواب دیا جو انہوں نے اعادہ کرکے بیان کی تھی۔ مگر چونکہ اُن جوابوں کے مضمون بھی قریب قریب اُنہیں جوابونکے تھے جو مولوی صاحب اوّل دیچکے تھے اسلئے اُنکے لکھنے میں بجز تطویل اور کچھہ چنداں حاصل نہیں۔ مگر ہاں پادری لوگ گھبراہٹ میں جو دو کتابیں چھوڑ کر چلے گئے تھے جس وقت مولویصاحب نے بعد نماز پھر کچھ بیان کرنا شروع کیا تو اسوقت پادری جان ٹامس گھبرائے ہوتے آئے اور یہ کہا کہ ہماری دو کتابیں رہ گئیں۔ حاضران جلسہ نے کہا پادری صاحب ایسے کیوں گھبرا گئے تھے کہ کتابیں بھی چھوڑ گئے۔ الغرض مولوی صاحب بعد الفراغ وہاں سے چلے اور لوگوں کا یہ حال تھا کہ کوئی واہ واہ کہتا جاتا تھا کوئی سلام کرتا تھا۔ راقم الحروف نے دیکھا کہ اُسوقت بعض ہندوں نے یہ کہا کہ واہ مولوی صاحب۔ اور بعض ہندو آتے تھے اور مولویصاحب کو سلام کرتے تھے بالجملہ

اہل اسلام کا غلبہ اُسوقت رب کے نزدیک آشکارا تھا۔ اسکے بعد دیکھا کہ پادریوں نے چلنے کی طیاری
کردی۔ اور وعدہ وعظ جو چار بجے پر ٹہیرا تھا وفا نہ کیا ادھر پنڈت صاحب اور منشی اندرمن صاحب
چاندا پور کو چلدیئے اسلئے مجبوری اہل اسلام نے بھی قصد روانگی کیا کیونکہ ٹھیرنے کی ضرورت نہ
رہی اِدھر جنگل میں ہر قسم کی تکلیف تھی۔ بارش اولوں وغیرہ کا اندیشہ تھا پھر کسلیئے وہاں رہ کر
تکلیف اُٹھاتے۔ کچھ دن رہے وہاں سے روانہ ہوئے اور حسب خواہش مولوی محمد طاہر صاحب
اُن کے مکان پر فروکش ہوئے مگر وہ اُن کی مہمان نوازی اور دلجوئی اِسوقت آنکھوں میں
پھرتی ہے صبح کو مولوی محمد علی صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب پاس پاس بیٹھے ہوئے
تھے جو ایک صاحب تشریف لائے گو نام اُن کا راقم کو معلوم نہیں پر اہل اسلام میں سے
تھے اور کیفیت ملاقات سے یوں معلوم ہوا کہ مولوی محمد علی صاحب سے کسی قسم کا سابقہ اور رابطہ
تھا چونکہ چاندا پور کے میلے ہی کا افسانہ ہو رہا تھا تو انہوں نے بھی فرمایا کہ منصف صاحب فرماتے
تھے اول روز میں بھی اُسوقت پہونچگیا تھا۔ جسوقت مولوی محمد قاسم صاحب نبوت کے متعلق
تقریر کررہے تھے وہ تقریر مجھ کو نہایت ہی درجہ پسند آئی اُسکے بعد مولویصاحب نے پادریصاحب کو
تو ایسا ذلیل کیا کہ غیرت ہو تو منہ نہ دکھائیں۔ اور مجھ کو بڑا تعجب آتا ہو کہ مولویصاحب کی اور میری
ملاقات کبھی نہیں ہوئی پھر نہ معلوم اُنہوں نے کسطرح مجھکو پہچان لیا جو بار بار میری طرف اشارہ کرکے
یوں کہتے تھے کہ منصف صاحب ہی ہمارے حکم ہے اور شاید اُسی روز پادری اسکاٹ صاحب
مولوی عبد المجید صاحب کو بازار میں ملگئے۔ مولویصاحب کا بیان ہو کہ میں نے پادریصاحب سے کہا آپنے
وقت تقریر کوئی بات ایسی نہ کہی جو معقول ہوتی۔ پادریصاحب نے فرمایا مجھ کو موقع نہ ملا اسکے بعد
جناب مولوی محمد قاسم صاحب کی نسبت تو یہ فرمایا کہ مولویصاحب مولوی نہیں صوفی مولوی ہیں
اور اس قسم کا علم اب اہل اسلام میں نہیں رہا۔ اور پھر یہ کہا کہ کوئی شخص آہیات میں اہل اسلام کا ہم پلہ
نہیں۔ اُسی روز یہ بھی ہوا کہ غالباً مولوی محمد قاسم صاحب نے مولوی محمد علی صاحب سے عرض کیا کیا
کیجئے منشی اندرمن کی اور آپکی گفتگو نہ ہوئی وہ کچھ بولے ہی نہیں۔ یہ ارمان دل کا دل ہی میں رہا اگر

آپ فرمائیں تو مولوی محمد طاہر صاحب کی معرفت اُنکو ایک خط اس مضمون کا لکھا جائے۔ مولوی محمد علی صاحب نے فرمایا میں نے تو ایک بڑے مسئلہ میں یعنی قدم عالم میں کچھ مختصر گفتگو شروع بھی کی تھی اور یہ مسئلہ ایک بڑا مسئلہ منجملہ عقاید لالہ اندرمن ہے اسی پر بنا تناسخ ہے جو اُنکے نزدیک منجملہ عقاید ضروریہ ہے مگر وہ ایسے خاموش بیٹھے رہے کہ کھڑے بھی نہوئے اور پنڈت دیانند صاحب کی تقریر سے بھی بطلان قدم عالم اور بطلان اقوال لالہ اندرمن مندرجہ کتاب تحفۃ الاسلام وغیرہ ظاہر تھا پس اب اُن سے مباحثہ کی کیا ضرورت ہے۔ اور اگر آپکو منظور ہے تو میں شاہجہانپور میں ٹھیرا ہوا ہوں آخر لالہ اندرمن بھی اسی راہ سے مرادآباد کو جائینگے آپ اُنکو لکھ بھیجئے۔ چنانچہ مولوی محمد طاہر صاحب نے اُنکو لکھا کہ آپ براہ کرم بہمراہی پنڈت دیانند صاحب تشریف لاکر قبول دعوت سے مرہون منت فرمائیں۔ اس تقریب میں آپکے اور مولوی محمد علی صاحب کے مباحثہ کا بھی جلسہ ہو جائیگا۔ مگر انہوں نے شاہجہانپور آنے سے انکار کیا اور چونکہ صاف انکار اپنی توہین تھی تو یہ لکھا کہ آپ ہی مولویصاحب کو لیکر یہاں تشریف لے آئیں اسپر مولوی محمد طاہر صاحب نے باشارہ مولوی محمد قاسم صاحب و حسب صلاح مولوی محمد علیصاحب پھر مکرر لکھا کہ جنگل میں مور ناچا کسنے دیکھا وہاں کا مجمع برخاست ہو گیا اب وہاں کون ہے جو مباحثہ کا لطف اُٹھائیگا۔ آپ فرماتے تو تھے ہی کہ ایک دو روز میں شاہجہانپور ہو کر مرادآباد جاؤنگا اگر اثناء راہ میں یہ جلسہ ہو جاوے تو بہتر ہے اولی یہاں بوجہ شہرت مجمع بھی کثیر ہو جائیگا مگر اُنہوں نے پھر بھی انکار ہی کیا اور یہ کہا کہ میں آپکے مکان پر نہیں آتا ہاں اگر منشی گنگا پرشاد جو تھے جنکی تبدیلی عہدہ ڈپٹی کلکٹری پر مقام شاہجہانپور ہو گئی ہے تو اُنکے مکان[1] پر میں آسکتا تھا۔ خیر یہاں تو نہیں مرادآباد میں میری اور مولوی محمد علیصاحب کی گفتگو ہو جائیگی۔ اس انکار مکرر کو سنکر دیوبند میرٹھ۔ دلی خورجہ وغیرہ مقامات کے رہنے والے صاحب جو شوق مباحثہ میں آئے تھے اور اس چھیڑ چھاڑ کو سنکر ٹھیر گئے تھے چلدیئے مگر ہاں اس اثناء میں بعض صاحبوں نے مولوی محمد قاسم صاحب سے یہ کہا کہ آپنے پنڈت صاحب کے مقابلہ میں جب اُنہوں نے بہشت کی نسبت یہ فرمایا تھا کہ کوئی شخص ہمیں تبلائے تو سہی بہشت کہاں ہے یہ فرمایا تھا کہ اگر ہمکو وقت ملیگا تو ہم آپ کو تبلادینگے سو اُسوقت تو بوجہ تنگی وقت اُس کے

[1] منشی صاحب کا یہ عذر ایک حیلہ ہی حیلہ تھا۔ جانتے تھے کہ ڈپٹی گنگا پرشاد صاحب کے آنے میں دیر ہے ۱۲

بیان کا اتفاق نہ ہوا اور اسوجہ سے دل میں ارمان رہ گئے اب یہ عرض ہی کہ اگر آپ بیان فرماتے تو کیا فرماتے۔ اسوقت مولویصاحب نے فرمایا لیجئے اب سن لیجئے۔ دُنیا میں ہم دیکھتے ہیں لذتیں خالی تکلیف سے نہیں اور تکلیفیں خالی راحتوں سے نہیں۔ منافع خالی مضرتوں سے نہیں اور مضرتیں خالی منفعتوں سے نہیں کھانا پانی ہر چند سامان راحت اور نفع کی چیز ہی مگر اُسکے ساتھ پاخانہ پیشاب کی خرابی اور امراض کے نقصان ایسے کچھ ہیں کہ کیا کہیے اور کڑوی دوائیں اور فصد اور قطع برید جراح اگرچہ سر تا سر تکلیف ہی مگر انجام کار کیسی کیسی راحتیں اُنکے ساتھ لگی ہوئی ہیں اسبات کے دیکھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیزیں بحیثیت آرام و تکلیف و نفع و ضرر ایسے ہیں جیسے باعتبار گرمی و سردی و خشکی و تری مزاج مرکبات عنصری معلوم ہوتا ہی یعنی جیسے وہاں اشیاء متضادہ کے اجتماع سے ایک مزاج مرکب حاصل ہو جاتا ہی۔ ایسے ہی یہاں بھی سمجھیے۔ مرکبات عنصری کی ترکیب میں اگر معلوم ہوتی ہی تو ایسی بات معلوم ہوتی ہی کہ گرمی سردی خشکی تری ساری باتیں مرکبات مذکورہ میں معلوم ہوتی ہیں ورنہ ترکیب کرتے ہوئے کسنے خدا تعالی کو دیکھا ہی جب ہم اپنے بدن میں دیکھتے ہیں کہ قلیل و کثیر یبوست ہی تو یہ سمجھ میں آتا ہی کہ ہمارے بدن میں جزو خاکی ہی ورنہ اس یبوست کی اور کیا صورت تھی۔ کیونکہ یبوست خاصہ خاک ہی سوا اسکے اور کسی چیز میں یہ بات نہیں ہونہو جزو خاکی کی یہ تاثیر ہے کہ ہمارے بدن میں یبوست پائی جاتی ہی اسیطرح رطوبت بھی کسیقدر نہ کسیقدر اپنے بدن میں موجود ہی اور وہ خاصہ آب ہی اسلیئے یہ بات واجب التسلیم ہی کہ ہمارے بدن میں لاریب جزو آبی ہوگا علی ہذا القیاس ہوا اور آگ کا سراغ نکل آتا ہے مگر یہ بھی ظاہر ہی کہ جیسے یبوست اور رطوبت باہم ضد یکدگر ہیں اور آب خاک اسبات میں مخالف یکدگر ہیں ایسے ہی معدن راحت کچھ اور ہوگا اور مخزن تکلیف کچھ اور ہوگا جیسے مرکبات عنصریہ باعتبار کمی بیشی رطوبت و یبوست حرارت و برودت مختلف ہیں اور اُسکی یہ وجہ ہی کہ کسی میں خاک زیادہ ہی تو کسی میں پانی زیادہ اسیطرح باعتبار راحت و تکلیف کے مرکبات کو خیال فرمایئے کہ اُنکے اصول بھی اسیطرح جدے جدے ہونگے اُنہیں میں سے یہ لو اگر سامان ہمارے آرام و تکلیف کو بنایا ہوگا اور اُن اصول میں ایک ایک بات کے سوا

اسیطرح اور کچھ نہوگا جیسے آب خاک اصول رطوبت ویبوست میں ایک ایک ہی چیز ہو دوسری چیز نہیں۔ اِس صورت میں ایک ایسا مقام اور طبقہ ماننا پڑیگا کہ جہاں فقط آرام ہو تکلیف اصلا نہو ہم اُسیکو بہشت کہتے ہیں سہ بہشت آنجا کہ آزارے نباشد ؛ اور ایک ایسا مقام اور طبقہ ہوگا کہ جہاں فقط تکلیف ہی تکلیف ہوگی آرام کا نام وہاں نہوگا ہم اُسیکو دوزخ کہتے ہیں۔ بالجملہ جیسے رطوبت یبوست وغیرہ کیفیات جسمانی کیلئے ایک جدی جدی اصل اور جدا جدا طبقہ ماننا لازم ہو اسیطرح آرام و تکلیف کیلئے بھی جدی جدی اصل اور جدا جدا طبقہ ماننا لازم ہو۔ رہی یہ بات کہ وہ کہاں ہیں اور کدھر ہیں یہ سوال ازروے عقل قابل استماع نہیں۔ موجود ہونیکے لئے یہ لازم نہیں کہ ہم کو معلوم ہی ہوا کرے خود اِس زمین میں ہزارہا مقامات اور اشیا ایسی ہیں کہ ہمکو معلوم نہیں۔ اگر زمین اور آسمان کے اندر ہو اور ہمکو معلوم نہو تو کیا محال ہو اور ہو اور زمین اور آسمان کے باہر ہو تو کیا ممتنع ہو اور اسی تقریر کیساتھ وجہ ثبوت شیطان و ملائکہ بھی مولویصاحب بیان کر گئے تفصیل اُسکی یہ ہے کہ آدمی کی رغبت اور توجہ ہر دم فقط نیکی یا بدی ہی کیطرف نہیں رہتی کبھی آدمی کا دل نیکی کیطرف راغب ہے تو کبھی بدی کیطرف مائل ہو۔ اِس اختلاف رغبت و میلان ہو صاف ظاہر ہو کہ ترکیب روحانی جبتک ایسے دو جزوں سے ہوئی ہو جو باہم متضاد ہیں ورنہ ایک شئے سے ایسی دو مختلف کیفیتوں کا پیدا ہونا ایسا ہی محال ہو جیسے ایک عنصر خاکی یا آبی سے مثلاً یبوست و رطوبت دونوں کا پیدا ہونا محال ہو جیسے وہاں اُسکی ضرورت ہو اگر یہ دونو کیفیتیں کہیں مجتمع ہوجائیں تو دو عنصر مذکور ضروری مجتمع ہونگے ایسے ہی یہاں بھی خیال فرمائیے پھر جیسے وہاں ہر ایک کیلئے ایک جدا طبقہ ہو ایسے ہی یہاں بھی ہر ایک کے لئے ایک جدا ہی طبقہ ہوگا جیسے وہاں ہر طبقہ میں ایک ہی خاصیت کیفیت ہو ایسے ہی یہاں بھی ہوگا اسلئے یہ بات خواہ مخواہ ماننی پڑیگی کہ ایک گروہ تو مخلوقات میں ایسا ہوگا کہ اُنکی خاصیت اصلی بھلائی اور نیکی کیطرف رغبت ہوگی یوں جیسے بوجہ برف پانی میں یبوست آجاتی ہو اُنمیں بھی اگر بوجہ خارجی بُرائی کیطرف رغبت آجائے تو آجائے اور ایک گروہ مخلوقات میں ایسا ہوگا اُنکی خاصیت اصلیہ بُرائی کیطرف رغبت ہو یوں جیسے خاک میں بوجہ آب رطوبت آجاتی ہو اگر بوجہ خارجی

بھلائی کیطرف رغبت ہوجائے تو ہوجائے پہلے گروہ کو ہم ملائکہ کہتے ہیں اور دوسرے گروہ کو ہم شیاطین کہتے ہیں جیسے مزاج مرکبات عنصریہ میں امداد خارجی سے فرق آجاتا ہے اور ایک خلط کا غلبہ ہوجاتا ہے چنانچہ اسیوجہ سے گرم غذاؤں اور دواؤں کے کھانیسے گرمی اور سرد غذاؤں اور دواؤں کے کھانیسے سردی پیدا ہوجاتی ہے اور مزاج اصلی میں تغیر آجاتا ہے ایسے ہی یہاں بھی بوجہ امداد خارجی رغبت قلبی میں تغیر آئیگا یوں آئیگا - بالجملہ ملائکہ و شیاطین کا وجود یقینی ہے یہانتک اسوقت مولوی صاحب نے بیان کیا اُسکے بعد مولوی صاحب کی اور تقریریں اسباب میں معلوم ہوئیں انکو بھی درج اوراق کیا جاتا ہے اسلئے یہ گذارش ہے کہ اس تقریر سے تو فقط ثبوت شیاطین و ملائکہ اور ثبوت جنت و دوزخ معلوم ہوا اور بعد معلوم ہوجانیکے پھر یہ کہنا کہ اگر شیطان کو مانئے تو یہ معنی ہونگے کہ گویا خداوند عالم نے اپنے ملک میں ایک قزاق اپنی طرف سے چھوڑ دیا ایسا ہی ہوگا کہ گویا پانی آگ ہوا وغیرہ کے نقصانوں کو خیال کرکے کوئی شخص باوجود دلالت رطوبت گرمی وغیرہ یہ کہی جائے کہ اگر جسم انسانی میں آگ ہو تو یوں کہو خدا نے ایسا کیا کہ کوئی شخص اپنے آپ چھپر بنائے اور پھر آپ ہی اُسمیں آگ بھی لگاوے - نہ یہ قرین عقل ہے نہ وہ قرین قیاس الحاصل جیسے باوجود دلالت آثار وجود عناصر میں بوجہ مذکور تامل کرنا عاقل کا کام نہیں ایسے ہی باوجود دلالت آثار مشار الیہ وجود شیاطین میں بوجہ مذکور متامل ہونا اہل عقل سے دور ہے جیسے ترکیب انسانی عناصر متضادہ سے بدلالت فطرت سلیمہ اسلئے ہے کہ اس ترکیب سے ایک عمدہ نتیجہ پیدا ہوا جسکو مزاج مرکب کہتے ہیں اور جسکے وسیلہ سے ہزاروں آثار عجیبہ نمایاں جو حیوانات میں مشہود ہوتے ہیں ایسے ہی ترکیب عالم میں شیاطین و ملائکہ وغیرہ کا ہونا بیشک ایسے عمدہ نتائج پیدا کریگا کہ کیا کہیئے اور کیوں نہو ہر حسن و جمال میں بھلی بُری دونوں قسم کی چیزیں ہوتی ہیں مکان عمدہ وہی ہے جسمیں پاخانہ بھی ہو یہ نہیں کہ سوائے پاخانہ اور سب چیزیں ہوا کریں اور پاخانہ نہو حالانکہ پاخانہ کا بُرا ہونا ایسا نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو - آدمی خوبصورت وہی ہے جسمیں آنکھ ناک رخسار کے ساتھ ابرو و مژگان و زلف و خط و خال بھی ہو حالانکہ خط و خال اور ابرو اور زلف و مژگان کی بدشکلی انکے رنگ سے ظاہر ہے - اگر پاخانہ نہو تو مکان ناقص ہے اور خط و زلف و خال و ابرو و مژگان نہو تو آدمی کا جمال ناتمام ہے - جب ایسی ایسی ذرا ذرا سی چیزوں میں اس اجتماع کی ضرورت ہوتی ہے تو ایسے بڑے کارخانے کے حسن و جمال کیلئے جسکو عالم و جہان کہتے ہیں کیونکر اس اجتماع کی ضرورت نہوگی اور نہیں تو یہ بڑا بانی عالم

میں کہاں سے آئیں اور یہ تکلیفیں کیونکر ظاہر ہوئیں۔ القصہ عالم میں بُرا بھلا آرام تکلیف سب جو نے چاہئیں اور بدلالت آثار پہلے یہ بات ثابت ہو چکی کہ واقعی موجود ہیں تو پھر اس قسم کے اعتراض جیسے پنڈت صاحب نے پادری صاحب پر کئے تھے بیشک اہل عقل و انصاف کے نزدیک صحیح نہ ہونگے۔ اب اور سنیئے شاہجہانپور کے بازار میں مولوی صاحب اور اُنکے رفقا کو نکلنے کا اتفاق ہوا تو ہندوؤں کا تو ذکر کیا اُنکی بھی انگلیاں اُٹھتی تھیں اسکے بعد ضلع سہارنپور میں بعض صاحب وہاں سے پھر کر آئے تو مولوی ذوالفقار علی صاحب ڈپٹی انسپکٹر مدارس سرکاری ضلع سہارنپور ساکن دیوبند نے اُنسے فرمایا کہ ایک صاحب سکھراج نام ساکن سہارنپور ہیں اُنکو بھی اس قسم کی تحقیقات کا شوق ہے منشی پیارے لال صاحب سے اُنکی خط و کتابت بھی تھی اور اس دفعہ وہ خود بھی اس میلہ میں تشریف لیگئے تھے۔ بعد مراجعت میری اُنکی ملاقات ہوئی تو انہوں نے بھی ویسا ہی بیان کیا جیسا اہل اسلام نے آکر بیان کیا تھا بلکہ اسکے ساتھ یہ بھی بیان کیا کہ ایک مولوی صاحب قاسم علی نام اسیطرف کے تھے اُنکا حال کیا بیان کیجئے اُنکے پیر تو علم کی سرتی بول رہی تھی مولوی صاحب کے فرمانے سے معلوم ہوا کہ سرتی پا بنسکرت میں علم کی دیبی کو کہتے ہیں علی ہذا القیاس بعض صاحب بعد اس واقعہ کے ملے تو اُنسے معلوم ہوا کہ وہ بھی ساکن شاہجہانپور ہیں وہ میلہ میں بھی تشریف لیگئے تھے اُنکو یا اُنکے بعض متعلقین کو میلہ کی برخاستگی ہو گئے رستہ میں اتفاق ہوا راہ ہندو گنوار جو ملے اُنکو یہ کہتے ہوئے سنا کہ پٹھان جیتے۔ چونکہ شاہجہانپور میں اہل اسلام اکثر پٹھان ہی ہیں چنانچہ بوجہ کثرت وہ شہر پٹھانوں کا مشہور ہو تو ہندو گنوار سب ہی اہل اسلام کو جو میلہ میں آئے پٹھان سمجھے تھے۔ فقط ۔ اب تماس راقم حروف یہ ہے کہ کمترین نے تا مقدور اصل حال میں کمی بیشی نہیں کی۔ اسی لئے جو باتیں ایسی تھیں کہ کسی تقریر سے مستنبط ہوتی تھی یا اُسکے مناسب تھی پر اُسکے ذکر کی نوبت نہ آئی تھی اُسکو حاشیہ پر لکھدیا ہے۔ البتہ اُسوقت کے الفاظ یاد نہیں رہے اور نہ بہت سے مضامین کی ترتیب پر اطمینان ہو سکتا ہے عجب نہیں کہ تقدیم تاخیر ہو گئی ہو اطلاعاً عرض کر دیا تاکہ کسی صاحب کو اور کچھ احتمال نہ ہو مگر ہاں یہ جو کچھ عرض کیا ہے اسمیں عمداً کوئی بات زیادہ یا کم نہیں کی ۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اہل بیتہ وازواجہ اجمعین ۔

تمت